WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ناولٹ

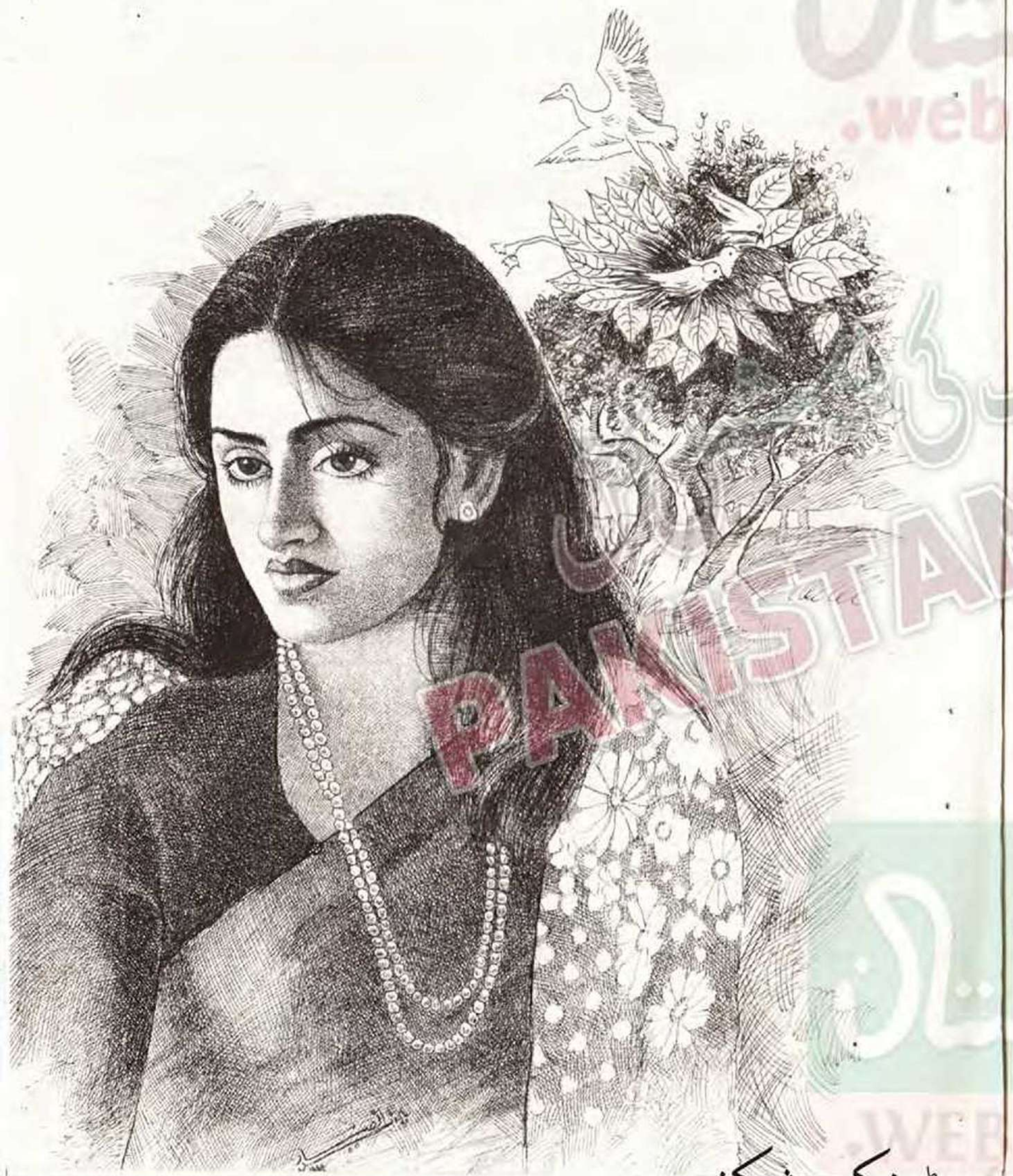

تیری دسترس میں درماں

مہوش افتخار

بقعہ نور بنے لان میں یک لخت موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔ ہنستے بولتے مہمانوں سمیت اسٹیج پر موجود کرنل منیر اور ان کی فیملی کو جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کے اپنی جگہ پہ ساکت کر دیا تھا۔ سب ہی کی نظریں بلیک سوٹ میں ملبوس نووارد پہ جمی تھیں۔ جو سب پہ طلسم پھونک کر بڑے اعتماد سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔ اس کا انداز اور اس کے لہجے کی مضبوطی تمام حاضرین محفل کو یہ بات سوچنے پہ مجبور کر گئی تھی کہ اگر وہ سچ بول رہا تھا تو پھر سامنے اسٹیج پہ کیا ہو رہا تھا؟

"کون ہو تم؟ اور تمہاری جرأت کیسی ہوئی یہ سب بکواس کرنے کی؟"

کرنل صاحب جیسے ہڑبڑا کے ہوش میں آئے تھے۔ تیز قدموں سے اسٹیج کی سیڑھیاں عبور کرتے وہ اگلے ہی پل اجنبی کے مقابل آ کھڑے ہوئے تو اس کے خوبصورت لبوں پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

"یہ دونوں سوال اگر آپ مجھ سے پوچھنے کے بجائے اپنی بھانجی سے پوچھیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔" اس نے ایک گہری نظر اسٹیج پر سجی بنی لیکن پتھرائی ہوئی اجیہ پہ ڈالی تو اس کی پریشان آنکھوں میں بے قراری پھیل گئی۔

"مم۔ مجھ سے کیوں پوچھیں۔ میں تو تمہیں جانتی تک نہیں۔" متوحش نظروں سے سامنے کھڑے اجنبی کو تکتے ہوئے اس کا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ جبکہ زبان بے اختیار لڑکھڑا گئی تھی۔ اس کی منگنی کی تقریب میں یہ شخص کیوں اور کس لیے اس سے شناسائی کا دعوا کر رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"بہت ہو گئی بکواس۔" اجیہ کے پہلو میں کھڑا دانش غراتے ہوئے جارحانہ انداز میں نیچے کو لپکا تو انجم منیر کے ساتھ ساتھ اسٹیج پہ موجود باقی افراد خانہ میں بھی ہلچل مچ گئی۔ جبکہ اجیہ نے مارے خوف کے اپنے کپکپاتے لبوں پہ سختی سے ہاتھ رکھ لیا۔

"یو باسٹرڈ! تم نے کیا ہمیں جاہل سمجھ رکھا ہے کہ تم جو کچھ بھی کہو گے، ہم اس پہ آنکھ بند کر کے یقین کر لیں گے؟" اس نے تیزی سے آگے بڑھ کے، نبیبی

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کا کالر پکڑ لیا تو اردگرد موجود مہمان خواتین کی دبی دبی سی چیخیں نکل گئیں۔

"کنٹرول یور سیلف دانش! چھوڑو اسے۔" منیر صاحب نے سرعت سے آگے بڑھ کے بیٹے کو بازو سے پکڑنا چاہا تو وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا گیا۔

"آپ چھوڑیں پاپا! ایسے بلیک میلرز سے نپٹنا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔" وہ مقابل کے سپاٹ چہرے پہ نگاہیں جمائے غصے سے دھاڑا تو اجنبی کی سیاہ آنکھوں میں عجیب سی سردمہری پھیل گئی۔ اگلے ہی پل اس کے مضبوط ہاتھ دانش کے ہاتھوں پہ آٹھہرے۔

"زبان اور ہاتھوں کو لگام دو دانش منیر!" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ دھیمے لیکن انتہائی سرد لہجے میں بولا تو اس کی نظروں اور لہجے کی ٹھنڈک اور ہاتھوں کی مضبوطی نے نجانے کیوں دانش کی گرفت کو کمزور کردیا۔ جسے محسوس کرتے ہوئے اس نے دانش کے ہاتھ اپنے گریبان سے جھٹک ڈالے۔

"بلیک میلنگ میرا نہیں' تمہارا خاندانی وطیرہ ہے۔ میں جو کرتا ہوں ٹھوس بنیادوں پر کرتا ہوں۔" اس کے چہرے پر نظریں گاڑے وہ آتشیں لہجے میں بولا تو اسٹیج پہ کھڑی اجیہ کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی سیڑھیاں اتر کے دانش کے برابر اور اس اجنبی کے مقابل آکھڑی ہوئی۔ اس کی بے باک نظریں بنا کسی جھجک کے اجیہ کے خوبصورت سراپے پہ آن ٹھہریں۔ جو بغیر آستین کی گولڈن میکسی میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"اچھا! تو پھر کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس بات کا کہ میں تمہیں جانتی ہوں؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ تیز لہجے میں بولی تو اجنبی کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں جانتا تھا اجیہ ڈیر! کہ مجھے دیکھ کر تمہاری یادداشت کھوجائے گی' اس لیے میں احتیاط" اپنے ساتھ یہ لے آیا تھا۔"

اس نے یک لخت ہاتھ بڑھا کر کوٹ کی اندرونی جیب میں سے طے شدہ کاغذ نکال کر لہرایا۔ "تمہارا نکاح نامہ۔" اس نے مسکراتے ہوئے اجیہ کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں مارے حیرت کے حلقوں سے ابل آئی تھیں۔ جبکہ باقی ساری محفل کو یک لخت سانپ سونگھ گیا تھا۔ دانش نے جھپٹ کر ان کاغذوں کو نظروں کے سامنے کیا تو دہشت زدہ سی اجیہ چلا اٹھی۔

"کک… کون سا نکاح؟ کیسا نکاح نامہ؟" وہ زرد چہرہ لیے منیر صاحب کی جانب لپکی۔ "ماموں بائے گاڈ! میں نے آج سے پہلے اس شخص کو کبھی دیکھا تک نہیں۔ یہ… یہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ میں بالکل نہیں جانتی۔ آپ ابھی اسی وقت پولیس کو کال…"

"شٹ اپ!" دانش کی اچانک دھاڑ پہ اجیہ کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے… وہ بے یقین سی اس کی جانب پلٹی۔

"جھوٹی' مکار لڑکی! مہینے سے اس شخص سے نکاح رچا کے بیٹھی ہو اور کہتی ہو کہ تم اسے جانتی تک نہیں؟ اور اگر ایسا نہیں تو یہ دستخط کیا تمہارے فرشتوں نے کیے ہیں؟" دانش نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ اس کے منہ پر مارے تو بے یقین کھڑی اجیہ نے بے قراری سے انہیں تھام لیا۔

اس کے پاس کھڑے منیر صاحب اور ان کی فیملی دانش کی بات پہ جیسے ساکت ہوگئے تھے۔ جوں جوں اجیہ کی نظریں تحریر پہ سے پھسلتی گئیں توں توں اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا' اور اپنے دستخط پہ آکر تو اس کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی ہوگئی۔

"یہ… یہ میں نے نہیں کیے۔" وہ سرسراتے لہجے میں بولی تو اجنبی کا بھرپور قہقہہ دانش کو لب بھینچنے پہ مجبور کر گیا۔

"نہیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں ماموں! یہ سائن میں نے نہیں کیے۔" اجیہ روتے ہوئے کسی ماہی بے آب کی طرح تڑپ کے منیر صاحب کی جانب لپکی تو انہوں نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں تھمے کاغذوں پر ڈالی اور پھر شعلے برساتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بہت ہوگیا ڈراما اجیہ! اب بکواس بند کرو۔" وہ

دھیمے لیکن انتہائی سرد لہجے میں غرائے تو روتی ہوئی اجیہ جھنجلا اٹھی۔

"آپ لوگ میرا یقین کیوں…" اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی۔ دانش نے آگے بڑھتے ہوئے بے رحمی سے اس کا بازو دبوچ لیا۔

"یقین؟ کس یقین کی بات کر رہی ہو تم؟ تم نے جس طرح میرے جذبات کا مذاق اڑایا ہے۔ جس طرح میرا تماشا بنایا ہے' اس کے بعد میں تمہاری شکل تو دور تمہاری آواز تک نہیں سننا چاہتا۔"

غضب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے اس نے پوری طاقت سے اسے قدرے فاصلے پہ کھڑے اجنبی کی جانب دھکیل دیا تو اجیہ کسی بے جان گڑیا کی طرح اس کے سینے سے جا ٹکرائی۔

سرعت سے خود کو سنبھالتے ہوئے اجیہ نے تڑپ کے اس سے الگ ہونا چاہا تو اس نے حظ اٹھاتی نظروں سے اس کے بھیگے چہرے کو تکتے ہوئے اپنے بازو کے مضبوط حصار میں لے لیا۔

"چھوڑو! چھوڑو مجھے ذلیل آدمی!" خود کو چھڑانے کی کوشش میں وہ باآواز بلند چلائی تو مقابل کے لبوں پہ اک استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

"ہونہہ! رسی جل گئی مگر بل نہیں گیا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے اجیہ کے ہاتھ میں بھینچا ہوا نکاح نامہ پکڑ لیا۔ "دیکھو لو ڈیر وائف! جس کی خاطر تم نے مجھے دھوکا دیا اس نے کتنے آرام سے تمہیں ڈس اون کردیا۔"

"مجھے کسی نے ڈس اون نہیں کیا۔ دانش! ماموں! پلیز۔ پلیز! مجھے اس دھوکے باز آدمی سے چھڑائیں۔" شعلے برساتی نظروں سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے' اس نے بری طرح مچلتے ہوئے ان دونوں سے استدعا کی تو منیر صاحب کا ضبط جواب دے گیا۔ بھری محفل میں اس لڑکی کی وجہ سے جس طرح ان کی عزت کا جنازہ نکلا تھا' اس نے انہیں سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی اور نکل جاؤ یہاں سے۔ تم نے ہمارے ساتھ یہ گندا کھیل کیوں کھیلا میں نہیں جانتا۔ لیکن اب کم از کم تمہارے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ آج سے تم ہمارے لیے مر گئیں۔ تمہارے اس کارنامے کی خبر تمہاری ماں کو بھی دے دی جائے گی… اب دفع ہوجاؤ یہاں سے۔"

وہ حلق کے بل چلائے تو روتی تڑپتی اجیہ مارے بے یقینی کے ساکت ہوگئی۔

"اب چلنا ہے مائی لویا اور ڈراما کرنا ہے؟" اس کے کان کے قریب جھکتے ہوئے وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو پتھرائی ہوئی اجیہ کے بے جان وجود میں جیسے نئی جان پڑ گئی۔

"میں مر جاؤں گی مگر تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی… مجھے چھوڑو ذلیل آدمی!"

وہ اس کے گریبان کو نوچتے کھسوٹتے ہوئے چیخی تو وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے لب بھینچ گیا۔ اگلے ہی پل اس نے برق رفتاری سے اس کی کلائی جکڑتے ہوئے ایک جھٹکے سے باہر کی جانب قدم بڑھائے تو اجیہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔

"نہیں! میں… میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ مجھے بچاؤ۔ فار گاڈ سیک مجھے بچاؤ دانش! پلیز مجھے بچاؤ۔"

اس کے پیچھے گھسٹتے ہوئے اس نے دیوانہ وار روتے ہوئے دانش کو مدد کے لیے پکارا تھا مگر ان میں سے کسی نے بھی اس کی جانب ایک قدم نہیں بڑھایا۔ یہاں تک کہ وہ روتی پیٹتی' دہائیاں دیتی ان سب کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

برلن کی فضاؤں میں شام اتر آئی تھی۔ بازغہ خلیل چائے کا کپ لیے اپنے دھیان میں گلاس وال سے باہر نظر آتے وسیع اور خوبصورت لان پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھیں۔ ان کا ذہن آج صبح سے پاکستان میں اٹکا ہوا تھا۔ جہاں آج ان کی بڑی بیٹی اجیہ کی منگنی کی تقریب تھی۔ گوکہ وہ صبح سے وقتاً فوقتاً فون پہ اس سے رابطے میں تھیں' مگر پھر بھی ان کی خواہش تھی کہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

وہ اس اہم موقع پہ اس کے پاس ہوتیں۔ لیکن بھلا ہو اجیہ اور دانش کا جنہوں نے اتنی اچانک ایک دوسرے سے رشتہ جوڑنے کا فیصلہ کیا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اپنی مصروفیات ترک نہ کر سکی تھیں۔

اس کی اس جلد بازی پہ خلیل جہانگیر نے ہمیشہ کی طرح انہیں اس کی خود سری کا طعنہ دیا تھا' جس میں ان کی دونوں چھوٹی بیٹیاں بھی شامل تھیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اندر سے اجیہ کے اس فیصلے پہ خاصی مطمئن تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ اجیہ یا دانش میں سے کوئی بھی اپنے ارادے کو بدلے' اسی لیے انہوں نے اپنے بھائی کو بنا کسی تاخیر کے بچوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے کہا تھا۔ لیکن اب ان کا دل رہ رہ کر دونوں کو دیکھنے کے لیے مچل رہا تھا۔

بے اختیار ان کی نگاہیں گھڑی کی جانب اٹھی تھیں' جہاں شام کے سوا چھ بج رہے تھے۔ یعنی پاکستان میں اس وقت رات کے سوا دس کا ٹائم تھا۔ اور فنکشن یقیناً "اپنے عروج پہ تھا' جب ہی کسی نے کافی دیر سے انہیں کال نہیں کی تھی' ورنہ تو پل پل کی خبر انہیں پہنچائی جا رہی تھی۔

رسم کے متعلق سوچتے ہوئے انہوں نے خود کال کرنے کی نیت سے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ اسکرین پہ منیر صاحب کا نام جگمگا اٹھا تھا۔ مسکراتے لبوں سے انہوں نے سرعت سے فون کان سے لگایا۔ لیکن دوسری طرف منیر صاحب کو غصے سے چلاتا سن کے ان کی دھڑکن یک لخت تیز ہو گئی تھی۔

"ہیلو! ہیلو بھائی! خیر تو ہے؟ آپ... آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں؟" انہوں نے پریشانی سے کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا کپ سینٹر ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"کیوں؟ تمہیں سنائی نہیں دے رہا یا میں فارسی بول رہا ہوں؟" وہ بنا کسی لحاظ کے دھاڑے تو انجم بیگم نے آگے بڑھ کر شوہر کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

"سنو بازغہ! تمہاری بیٹی پورے شہر کے سامنے ہمارے منہ پہ کالک تھوپ کے اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی ہے۔"

"شش... شوہر؟ کون سا شوہر؟" اس عجیب و غریب بات پہ بازغہ خلیل کا منہ اور آنکھیں دونوں کھل گئیں۔ "یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

"انجان مت بنو۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنی بیٹی کے نکاح کی خبر نہ ہو؟" انجم ان کی بات پہ چمک کر بولیں تو اس الزام پہ وہ تڑپ اٹھیں۔

"خدا گواہ ہے بھابھی! مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں... اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو سب ٹھیک تھا۔ یہ۔ یہ اچانک..." وہ متوحش سی سسک اٹھیں۔

"پلیز بھابھی! مجھے ساری بات بتائیں۔ نہیں تو میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" وہ اپنی فطرت کے برعکس التجائیہ لہجے میں بولیں تو انجم کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چلو جی' محترمہ نے ماں کو بھی بتانے کی زحمت نہیں کی۔" انہوں نے با آواز بلند دوسری طرف سنایا تو بازغہ مارے اذیت کے لب بھینچ کر رہ گئیں۔ "ارے تمہاری بیٹی یہاں مہینے بھر سے نکاح رچا کے بیٹھی ہوئی تھی اور..." اس کے بعد انہوں نے من و عن پوری بات ان کے گوش گزار کر ڈالی تو ان کا دماغ جیسے سن ہو گیا۔

"کون۔ کون ہے وہ؟" انہوں نے پھنسی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"ہمیں کیا پتا کون ہے وہ... ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہاری بیٹی نے ہمارے ساتھ اور ہمارے بچے کے ساتھ کیا' اس کے بعد وہ بے غیرت لڑکی ہمارے لیے ہمیشہ کے لیے مر گئی۔ آج کے بعد ہمارا تم سے یا تمہاری بیٹی سے کوئی تعلق نہیں۔"

"وہ میرے لیے بھی مر گئی۔" انہوں نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا تو انجم بیگم کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟ حیرت ہے۔ حالانکہ تمہارے لیے یہ سب بڑی عام سی بات ہے۔" انہوں نے استہزائیہ لہجے میں کہا تو بازغہ خلیل کو یوں لگا جیسے کسی

نے ان کو پتھر کھینچ کر مارا ہو۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اتنی بڑی بات کہنے والے کا دماغ ٹھکانے لگا دیتیں' مگر فی الوقت تو انہیں ان کی اولاد نے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

بے اختیار انہوں نے فون کان سے ہٹاتے ہوئے لائن کاٹ ڈالی تھی۔

"اجیہ! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی... کبھی نہیں!" دونوں ہاتھوں پہ سر گرائے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ شخص ارد گرد سے بے نیاز اسے کھینچتا ہوا پارکنگ لاٹ میں لایا تھا۔ جہاں پہلے سے اسٹارٹ کھڑی سیاہ شیشوں والی گاڑی کا دروازہ کھول کے اس نے ایک جھٹکے سے اسے اندر پھینکا تھا اور اس کے سنبھلنے سے پہلے دروازہ بند کر دیا تھا۔

دروازے کے بند ہوتے ہی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے شخص نے آٹومیٹک لاک لگاتے ہوئے سرعت سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ تب ہی روتی ہوئی اجیہ تڑپ کے سیدھی ہوئی تھی لیکن جونہی اس کی نظر اپنے برابر بیٹھے ایک اور آدمی سے ٹکرائی تھی' وہ مارے خوف کے کانپ اٹھی۔

"بی بی! آواز نکالنے کی غلطی مت کرنا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی پستول اجیہ کی طرف کرتے ہوئے انتہائی سرد لہجے میں کہا تو اس کا چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے اور وہ لہرا کے ایک طرف کو گرتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

شاہی فریش ہو کے ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو ثانیہ گرما گرم بریانی کی ڈش اٹھائے اس کے پیچھے چلی آئی۔

"بابا نے کھانا کھایا؟" اس نے کرسی کھینچتے ہوئے پوچھا۔

"بس برائے نام ہی کھایا۔" وہ بوجھل لہجے میں بولی تو وہ اک گہری سانس لیتے ہوئے اپنے لیے پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔ تھوڑے سے چاول ڈال کر اس نے ڈش واپس رکھ دی۔ ثانیہ نے کباب کی پلیٹ اٹھا کر بھائی کی جانب بڑھائی۔ مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا تو وہ خفگی سے بھائی کو دیکھنے لگی۔

"کھانا تو ڈھنگ سے کھائیں۔ پہلے ہی اتنی دیر سے آئے ہیں آپ۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ واپس رکھ دی۔

"بابا بتا رہے تھے کہ آپ نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔" اس نے بھائی کا چہرہ تکتے ہوئے کہا تو وہ نظریں اٹھاتے ہوئے بولا۔

"نہ صرف ہاتھ میں لے لیا ہے بلکہ تقریباً" حل بھی کر لیا ہے۔"

"آج عالیہ پھپھو بھی آئی تھیں۔ بابا اور ڈیڈی سے کہہ رہی تھیں کہ اس بار ان لوگوں کا بالکل لحاظ نہیں کرنا۔ حتیٰ کہ بابا کے کہنے پر بھی ان سے رعایت نہیں برتنی۔" وہ گلاس میں اس کے لیے پانی ڈالتے ہوئے بولی تو شاہی نے ہاتھ میں پکڑا چمچ نیچے رکھ دیا۔

"رعایت تو اب انہیں کسی قیمت پہ نہیں ملے گی۔ کیونکہ اب یہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔ دولت' جائیداد سب گئی بھاڑ میں' لیکن جو کچھ انہوں نے بابا کے ساتھ کیا ہے' وہ میں کسی قیمت پہ فراموش نہیں کر سکتا۔" بہن کی طرف دیکھتا وہ سرد لہجے میں بولا تو ثانیہ پریشان ہو گئی۔

"پلیز بھائی! آپ کو ان لوگوں کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔"

"بے فکر رہو' اب یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔" وہ غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے مطمئن سا بولا تو ثانیہ متفکر سی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

خلیل اور بچیوں کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے بازغہ ضروری کام کا بہانہ کر کے ملازمہ کو مطلع کرتی گھر سے باہر نکل گئی تھیں۔ یہ بھی شکر تھا کہ جس وقت پاکستان سے فون آیا تھا' گھر پہ ان کے اور نوکروں کے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سوا اور کوئی نہ تھا۔ ورنہ ان کے لیے تو طعنوں اور باتوں کا نیا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

انہیں خود کو سنبھالنے میں دو ڈھائی گھنٹے لگ گئے تھے۔ مگر اس کے باوجود جب وہ گھر لوٹی تھیں تو خود کو خلیل جہانگیر کی گہری نظروں سے چھپا نہ سکی تھیں۔

"کیا بات ہے تم اتنی چپ چپ سی کیوں ہو؟" انہوں نے ٹی وی دیکھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے کپ سے کافی کا گھونٹ بھرا۔ انعم اور حبہ دونوں آج اپنی فرینڈز کے ساتھ ڈنر کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ اس لیے فی الوقت وہ دونوں گھر پہ اکیلے تھے۔

"یونہی سر میں درد ہے ذرا۔" وہ ان کی طرف دیکھے بنا بے زاری سے بولیں تو خلیل صاحب کی نظریں استہزائیہ انداز میں ان پہ آٹھہریں۔

"کمال ہے! آج تو تمہاری لاڈلی کی منگنی ہے بھئی۔ پھر تمہارے سر میں بھلا درد کیوں ہونے لگا۔ سب ٹھیک تو ہے؟"

"فار گاڈ سیک خلیل! کبھی تو سیدھی بات کر لیا کرو۔" تیز نظروں سے ان کی طرف دیکھتی وہ چیخ کر بولیں تو خلیل جہانگیر کے لبوں پہ کاٹ دار مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"او کے بھئی آئی ایم سوری۔ اب اگر ہماری لاڈلی نے ہمیں نہیں پوچھا تو اس میں اتنا چڑنے والی کون سی بات ہے؟"

"ک۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" ان کے چہرے کا رنگ یک لخت زرد پڑ گیا تو خلیل صاحب چونک گئے۔

"میرا مطلب تو اس کے خود ہی منگنی کر لینے سے تھا، لیکن لگتا ہے کہ تمہارے ذہن پہ کوئی دوسری بات سوار ہے۔" وہ بغور ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تو بازغہ دل ہی دل میں انہیں اور اپنی بے وقوفی کو کوستی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میرے ذہن پہ تو اس وقت صرف تم سوار ہو۔" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اچھا! اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟" خلیل جہانگیر دوبدو گویا ہوئے تو بازغہ کا ضبط جواب دے گیا۔ اس شخص سے جیتنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔

"کرتی تھی۔" وہ "تھی" پہ زور دیتے ہوئے بولیں۔ خلیل صاحب مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"غلط فہمی ہے تمہاری۔ تم نے سوائے اپنی ذات اور اپنی خواہشات کے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ تم ایک خود غرض عورت ہو بازغہ حسین!" انہوں نے طنزیہ نظروں سے بازغہ بیگم کی جانب دیکھا۔

"اور تم ایک موقع پرست اور جھوٹے انسان ہو۔" ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے بولیں تو خلیل صاحب کے چہرے پر حظ اٹھاتی کیفیت در آئی۔

"اور تم موقع شناس۔۔۔ دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔" وہ ٹھنڈے لیکن آگ لگاتے لہجے میں بولے تو بازغہ چند لمحے انہیں شعلے برساتی نظروں سے دیکھتی نکل گئیں۔

☼ ☼ ☼

اجیہ کی آنکھ نرم گرم بستر کے زیر احساس کھلی تھی۔ بے اختیار اپنے خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اس نے خالی الذہنی کے عالم میں اپنے ارد گرد دیکھتے ہوئے سیدھا ہونا چاہا تھا۔ لیکن جونہی اس کی نظر اپنے قریب راکنگ چیئر پہ بیٹھے چہرے سے ٹکرائی تھی وہ لحظہ بھر کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔ اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ بڑی تیزی سے واضح ہوئے اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بیڈ کی پشت سے جا لگی۔ اسے اپنی جگہ سے اٹھتا دیکھ کے مقابل کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کچھ زیادہ ہی نازک مزاج ہو تم۔ خاصا وقت لیا تم نے ہوش سنبھالنے میں۔ لیکن چلو دیر آید درست آید۔ ویلکم ہوم مائی ڈیر!" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ قدرے آگے کو جھکا تو اجیہ نے خود پہ پھیلا کمبل کھینچ کر سینے تک تان لیا۔

"ک۔ کون ہو تم؟" وحشت زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے خائف لہجے میں سوال کیا۔

"فار گاڈ سیک یار! اب کیا میں پھر سے تمہیں نکاح نامہ نکال کر دکھاؤں؟" وہ یوں گویا ہوا جیسے دونوں کے درمیان برسوں کی شناسائی ہو۔ اس کی بات پہ اجیہ بے اختیار چیخ اٹھی۔

"اسٹاپ اٹ! پلیز اسٹاپ اٹ۔ تم جانتے ہو کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔ تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" بات کرتے کرتے وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی مگر مقابل پہ رتی برابر اثر نہ ہوا تھا۔

"کتنی خوبصورت ہو تم۔ بالکل کانچ کی گڑیا کی طرح۔" اس کے سوال کو مکمل طور پہ نظر انداز کیے وہ گہری نظروں سے اسے تکتا گمبھیر لہجے میں بولا تو اجیہ کے آنسو مارے خوف کے جم سے گئے۔

"دیکھو میرے قریب مت آنا۔" خوف زدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتی وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی تو اس کے لبوں پہ ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔

"دانش منیر کے تو بازو میں بازو ڈال کر سارے شہر میں گھوما جا رہا تھا اور شوہر پہ ایسی پابندی۔ دیٹس ناٹ فیر۔"

"تم جانتے ہو کہ نہ تو تم میرے شوہر ہو اور نہ میں تمہاری بیوی۔ پھر تم کیوں۔۔۔ کیوں یہ بات بار بار دہرا رہے ہو؟ میں تو تمہارا نام تک نہیں جانتی۔" اس کی تکرار نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے سیل رواں جاری کر دیا تھا۔

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ تمہیں رونا کس بات پر آ رہا ہے۔ یہ کہ تم میری بیوی کیوں نہیں یا یہ کہ تم میرا نام کیوں نہیں جانتیں؟" اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے بولا تو اجیہ نے مارے بے بسی کے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

یہ بات تو طے تھی کہ وہ اسے کچھ بھی بتانے والا نہ تھا اور لاعلمی کے اندھیروں میں ان گنت سوالوں سے ٹکراتے رہنے کی اذیت شاید ہر اذیت پہ بھاری تھی۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ۔ تم دانش سے بہت محبت کرتی ہو کیا؟" اس نے اچانک دوستانہ لہجے میں ایک بالکل غیر متوقع سوال کیا تو اجیہ کے آنسو ایک بار پھر تھم گئے۔

چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس نے مقابل کی طرف دیکھا، جو منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر بھول جاؤ اسے۔ بلکہ ہر اس چیز، ہر اس رشتے کو بھول جاؤ جو تمہیں عزیز ہے۔ تمہاری خواہشات میں شامل ہے۔ کیونکہ اب تم وہی کرو گی جو میں چاہوں گا۔۔۔ تمہاری خواہشات ترجیحات، ہر چیز میرے تابع ہو گی۔۔۔" اس پہ نظریں جمائے وہ یک لخت اجنبی لہجے میں کہتا، اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو سراسیمہ سی اجیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"اب اتنے خوف سے مت دیکھو کہ میرا دل ہی پگھل جائے۔" وہ اچانک اس کے دائیں بائیں ہاتھ جماتے ہوئے جھکا تو اجیہ کا مارے وحشت کے سانس بند ہو گیا۔

سختی سے آنکھیں میچے وہ بری طرح رو دی۔ اور جب اس نے کتنی دیر بعد ہمت کر کے آنکھیں کھولی تھیں تو خود کو کمرے میں تنہا پا کے حیران رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اتوار کا دن تھا۔ "حسن ولا" کے سب مکین گھر پہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود در و دیوار پہ عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مگر جب شام میں عالیہ اور مہناز پھپھو اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ چلی آئیں، تو تھوڑی دیر کے لیے ماحول پہ چھایا بوجھل پن جیسے ختم ہو گیا تھا۔ بابا بھی اپنے سب بچوں کو اکٹھا دیکھ کے بہت دنوں بعد ان کے درمیان آ بیٹھے تھے، ورنہ اسی دن کے بعد سے تو جیسے انہیں چپ سی لگ گئی تھی۔ کھانا پینا، ہنسنا بولنا وہ ہر بات بھول کے بس سوچوں میں گم رہنے لگے تھے۔ ان کے چہرے کی تھکاوٹ، آنکھوں کی کھوئی کھوئی سی کیفیت ہر بار شاہی کو نئے سرے سے

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اذیت میں مبتلا کر دیتی تھی۔ اسے رہ رہ کے اس دن پہ افسوس ہونے لگتا تھا۔ جب وہ اپنے دادا' باپ اور چچا کے ساتھ نہ تھا۔ ورنہ اپنے بزرگوں کے ساتھ زیادتی کرنے والے کا اس پل وہ حشر کرتا کہ دنیا دیکھتی۔

بابا کی حالت دیکھتے ہوئے وہ بظاہر تو خاموش ہو گیا تھا مگر اس نے اگلے دن سے ہی سارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

اب بھی وہ سب کے درمیان بیٹھا اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب بابا کے پکارنے پہ وہ اپنے دھیان سے چونک اٹھا۔

"شاہی بچے! بہروز بتا رہا تھا کہ اس کے سارے معاملات تم دیکھ رہے ہو؟" انہوں نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں سوال کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن مجھے اس کورٹ کچہری کے چکر میں نہیں پڑنا۔ میں نے اس کا مطالبہ پورا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" کسی کی طرف دیکھے بنا انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو جہاں سب چونک گئے' وہیں شاہی نے اپنے لب سختی سے بھینچ لیے۔ اسے بابا سے اسی درجہ جذباتی فیصلے کی امید تھی۔

"آپ جانتے ہیں کہ اس کا مطالبہ ناجائز ہے۔ شرعی اعتبار سے اس کا اس جائیداد میں کوئی حق نہیں بنتا۔ باقی جو کچھ نجیب کا تھا' وہ اس کی زندگی میں ہی اجڑ گیا۔ وہ لوگ نہیں مانتے' نہ سہی۔ ہم عدالت میں ثابت کر دیں گے۔ اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کس طرح اس کا مطالبہ پورا کریں گے؟" عالیہ پھپھو نے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ وہ لحظہ بھر کو خاموش ہو گئے۔

"میں نے اپنا حصہ اس کے نام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے شاہی کے خدشے کی تصدیق کر ڈالی تو وہ اک گہری سانس کھینچ کے رہ گیا۔ جبکہ باقی سب ان کے اس فیصلے پہ شاکڈ رہ گئے۔

"آفرین ہے بابا! یعنی آپ اس ناہنجار کے حوالے اپنا سب کچھ کرنے چلے ہیں جسے آپ سے محبت تو دور انسیت تک نہیں۔ جس کی نگاہ میں آپ کے لیے نہ پہچان ہے اور نہ کوئی لحاظ۔ اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کا یہ قدم اس کے دل میں گھر کر لے گا تو یہ سب سے بڑی غلط فہمی ہے آپ کی۔ محبتوں کی قدر اس کے خون میں شامل نہیں۔" غصے سے کھولتی مہناز تیز لہجے میں بولیں تو شہباز حسن بہن کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"مہناز ٹھیک کہہ رہی ہے بابا! آپ کا یہ فیصلہ ان کے لالچ کو ہوا دینے کے سوا اور کچھ نہیں کرے گا۔"

"تو کیا چاہتے ہو تم لوگ۔ جا کے ان کے خلاف عدالت میں کھڑا ہو جاؤں؟" وہ یک لخت غصے سے بولے۔

"بالکل! جب انہیں کسی چیز کی شرم لحاظ نہیں تو ہم کیوں ہچکچائیں۔ بلکہ اچھا ہے' چار لوگوں کے درمیان جب پچھلے کرتوت کھلیں گے تو خود ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اچھی طرح مزاج صاف ہو جائے گا۔" عالیہ نے غصے سے سر جھٹکا۔ ابو صاحب کے چہرے پہ بے بسی پھیل گئی۔

"تم کیوں نہیں سمجھتیں عالی! میں اس کے دل میں اپنے بچے کے لیے مزید نفرت نہیں بڑھا سکتا۔ میں اس کے سارے گلے شکوے دور کر دینا چاہتا ہوں۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ میرے لیے وہ ہر چیز سے بڑھ کے اہم ہے۔" بات کرتے ہوئے ان کا لہجہ بھرا گیا۔ شاہی کے لیے مزید وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ کتنی ہی دیر سے ایک ہی رخ پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ ذہن سوچ کے گھوڑے دوڑا دوڑا کے اب بالکل تھک چکا تھا۔ کھڑکی کے کھلے پردوں سے اندر آتی دھوپ دن چڑھ آنے کی اطلاع دے رہی تھی۔ یہ سوال کہ وہ شخص رات بھر اس کے ساتھ اس کمرے میں موجود تھا یا نہیں؟ اس کے لیے سب سے زیادہ پریشانی اور اذیت کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنا یہ مسئلہ

کیسے حل کرے۔ تب ہی دروازے پہ دستک کی آواز نے اسے بری طرح چونکا دیا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے خوف زدہ نظروں سے دروازے کی جانب دیکھا۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور ایک عورت نے اندر جھانکا۔ اجیہ کو اپنی طرف دیکھتا پا کے وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی۔

"سلام بی بی جی۔۔۔ میرا نام ہاجرہ ہے۔ میں یہاں کام کرتی ہوں۔ صاحب کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ میں آپ سے ناشتے وغیرہ کا پوچھ لوں۔ وہ آپ کے لیے کافی سارا سامان بھی دے گئے ہیں۔ اگر آپ پہلے نہانا دھونا چاہتی ہیں تو میں آپ کی چیزیں یہاں لے آؤں؟" اس کی طرف دیکھتی' وہ بالکل نارمل لہجے میں بولی تو خائف سی اجیہ سوچ میں پڑ گئی۔

"پتا نہیں اس آدمی نے اپنے ملازموں کو اس کے بارے میں کیا بتایا تھا اور کیا نہیں۔۔۔ اور پتا نہیں یہ اس کی یہاں رات بھر موجودگی کے بارے میں کچھ جانتی تھی یا نہیں؟"

"تم۔۔۔ تم یہیں رہتی ہو؟" اس نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں جی! میں تو یہاں دو' تین دن بعد آ کے صفائی کر جاتی ہوں۔ یہاں زیادہ تر کوئی ہوتا جو نہیں۔ لیکن پرسوں صاحب مجھے' میرے شوہر اور بچوں کو کچھ دنوں کے لیے یہاں لے آئے تھے۔ تاکہ آپ کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔" اس نے تفصیل سے جواب دیا تو اجیہ نے اپنا لب چباتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"را۔۔۔ رات کب آئے تھے تمہارے صاحب؟" اس نے۔۔۔ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"رات کو تو جی وہ آئے ہی نہیں۔ صبح سات بجے کے بعد آئے تھے۔"

اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سادگی سے جواب دیا تو اجیہ کی اٹکی ہوئی سانس بحال ہو گئی۔ بے اختیار اس نے بیڈ کی پشت سے سر ٹکا کر اک گہری اطمینان بھری سانس لی تو بے چاری ہاجرہ پریشان ہو گئی۔

"بی بی جی! آپ کی طبیعت ٹھیک تو ہے نا؟" وہ چند قدم بڑھاتی بیڈ کے پاس چلی آئی۔ اجیہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں آپ کے لیے ناشتا لاتی ہوں۔ ایسا نہ ہو' آپ پھر سے بے ہوش ہو جائیں۔" وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بنا تیزی سے پلٹ کر باہر نکل گئی۔

اور چونکہ اجیہ دوبارہ ہوش و حواس سے بیگانہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس لیے ہاجرہ کے ناشتا لانے پہ اس نے خاموشی سے چند لقمے زہر مار کر لیے تھے۔

"بی بی جی! آپ اب کپڑے بدل کے آرام کر لیں۔" وہ اس کے سامنے سے ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی۔ اجیہ کی نظریں اپنی خوب صورت اور قیمتی میکسی پہ جا ٹھہریں۔ بے اختیار اس کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔

کتنے شوق اور خوشی سے دانش نے اس کے لیے یہ میکسی شہر کے ایک مشہور ڈیزائنر کے آؤٹ لٹ سے خریدی تھی۔ بلکہ یہی کیا' ان دونوں نے اپنے اس فنکشن کو یادگار بنانے کے لیے ہر چیز میں ہی بھرپور دلچسپی لی تھی۔ انہیں کیا خبر تھی کہ انہیں اپنی وہ خوشی نصیب ہی نہیں ہونا تھی۔ ان کے سب ارمان' خواہشات نہ صرف بکھر گئی تھیں بلکہ جدائی جیسی جان لیوا اذیت بھی بالکل اچانک ان کا مقدر بنا دی گئی تھی۔ اتنی اچانک کہ اجیہ کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ بیت چکا ہے۔ وہ ایک ہی جھٹکے میں نہ صرف اپنی خوشیوں۔ بلکہ اپنے رشتوں اور اعتبار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس کے اپنوں نے اسے بالکل تنہا چھوڑ دیا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مدد کے لیے کسے پکارے؟ کیونکہ جو ثبوت وہ شخص اپنی جیب میں لیے پھر رہا تھا' اس کے ہوتے ہوئے تو کم از کم نہ تو وہ کسی کو اپنا یقین دلا سکتی تھی اور نہ ہی کسی سے مدد کی امید کر سکتی تھی۔ پتا نہیں اس کی زندگی برباد کرنے والے کا مقصد کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو بھئی! ہماری اجیہ نے منگنی کے بجائے

پاکستان وَیب اور رِیڈرز کی پیشکش
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ڈائریکٹ شادی کرلی ہے۔" خلیل صاحب نے ناشتے کی میز پہ بیٹھتے ہوئے مصنوعی بشاشت سے ڈائننگ روم میں موجود تینوں افراد کو مطلع کیا تو ایک پل کو جہاں انعم اور حبہ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئیں وہیں بازغہ بیگم کی "کاٹو تو بدن میں لہو نہیں" والی کیفیت ہو گئی۔

"کیا؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پاپا؟" انعم نے ہاتھ میں پکڑا سلائس پلیٹ میں رکھ دیا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹا! مبارک باد دو اپنی ماں کو جس نے اتنی بڑی بات کی ہمیں ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ لیکن یہ بھول گئی تھی کہ نہ تو مجھے بے وقوف بنانا آسان ہے اور نہ ہی مجھے پاکستان فون کرنے کی کوئی ممانعت ہے۔" انہوں نے تیز نظروں سے بازغہ بیگم کو گھورتے ہوئے کہا۔ انعم کی حیران آنکھیں ماں کی جانب اٹھ گئیں۔

"ممی! آپ کو پتا تھا؟"

"ہاں!" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔ انعم کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"دس از ٹو مچ! آپ نے اتنی اہم بات ہم سے چھپائی۔ ہم نے کیا اجیہ یا دانش کو کھا جانا تھا؟ یا ان کی خوشیوں کو نظر لگا دینی تھی؟"

"دانش کہاں سے آگیا بھئی؟ وہ بے چارہ تو بیٹھا تمہاری بہن اور ماں کی جان کو رو رہا ہے۔" خلیل صاحب نے اچانک بیچ میں ٹکڑا لگایا تو انعم کو ایک اور جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب؟" وہ الجھ کر باپ کا چہرہ تکنے لگی۔

"مطلب یہ میری جان! کہ تمہاری بہن صاحبہ منگنی کا ڈراما تو دانش کے ساتھ رچا رہی تھیں۔ مگر وہ مہینہ بھر پہلے کسی اور کے ساتھ نکاح کر چکی تھیں اور کل جب وہ آدمی بھری محفل میں نکاح نامہ لے کے پہنچ گیا تو تمہاری ماں کی لاڈلی سرے سے انکاری ہو گئی۔"

"واٹ؟" اب کے انعم اور حبہ دونوں مارے حیرت کے چلا اٹھیں۔ بازغہ نے ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر پٹخ دیا۔

"اسی۔۔۔ اسی لیے نہیں بتایا تھا میں نے کہ یہ شخص میری جان کو آجائے گا۔" انہوں نے لال بھبھوکا چہرہ لیے خلیل جہانگیر کی طرف دیکھا۔ انعم غصے سے کھول اٹھی۔

"فار گاڈ سیک ممی! پاپا کو الزام دینا بند کریں۔ آپ کی ان ہی طرف داریوں نے آج ہمیں یہ دن دکھایا ہے۔ آپ نے اجیہ کے معاملے میں ہمیشہ پاپا کی نیت پہ شک کیا ہے۔ آپ نے کبھی ان کی ایک نہیں سنی۔"

"ہاں! میں ہی بری ہوں۔ تمہارا باپ تو بڑا نیک اور انصاف پسند آدمی ہے۔۔۔ میں پوچھتی ہوں، جب تم لوگوں کو اجیہ سے کوئی سروکار نہیں تو اب تم لوگوں کو کیوں اس کا درد اٹھ رہا ہے؟ وہ چھپ کر شادی کرے یا بھاڑ میں جائے۔ تم میں سے کسی کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

گود میں رکھا نیپکن ٹیبل پہ پٹختے ہوئے، وہ تن فن کرتی ڈائننگ روم سے باہر نکل گئیں۔ خلیل صاحب نے شکایتی نظروں سے بیٹیوں کی جانب دیکھا۔

"دیکھی اپنی ماں کی حرکت؟ بجائے اپنی غلطی ماننے کے اس نے پھر سے وہی بلیم گیم شروع کیا۔"

"میری تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اجیہ اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی ہے؟ اس نے تو خود اپنی مرضی سے دانش سے رشتہ جوڑا تھا۔" اب تک خاموش تماشائی بنی بیٹھی حبہ نے بے یقین سے لہجے میں کہا تو خلیل صاحب نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

"ہونہہ! یہ سب اسے ورثے میں ملا ہے۔"

"پلیز پاپا! میں مانتی ہوں کہ ممی کی غلطی ہے۔ مگر آپ مزید انہیں کچھ نہ کہیے گا۔ وہ پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں گی۔" انعم نے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا تو خلیل صاحب سر جھٹک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"غلط فہمی ہے تمہاری۔ تمہاری ماں اپ سیٹ ہونے والوں میں سے نہیں، اپ سیٹ کرنے والوں میں سے ہے۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK
پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

وہ نیچے رکھا بریف کیس اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ انعم اور حبہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ اپنے ماں باپ کو یونہی ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑتے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

اجیہ کو کمرے میں پڑے ہوئے سارا دن گزر گیا تھا۔ مگر اس نے اپنی جگہ سے ہل کے نہ دیکھا تھا۔ حالانکہ کمرے کا دروازہ بھی کھلا تھا اور گھر میں ہاجرہ بھی موجود تھی۔ مگر اس نے کھڑکی سے اٹھ کر باہر جھانکا تک نہیں۔ لیکن جب رات میں نو' سوا نو کے قریب نیچے مین گیٹ پہ کھٹ پٹ کے بعد' پورچ میں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی تھی۔ تب غیر ارادی طور پہ اس کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔

بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ تیز قدموں سے کھڑکی کی جانب بڑھی۔

گاڑی میں سے اسے اترتا دیکھ کے اجیہ کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔ سرعت سے پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے اردگرد دیکھا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بھاگ کر دروازہ مقفل کر دیا تھا۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد باہر راہداری میں بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اجیہ کا دل اچھل کے حلق میں آگیا۔ وہ کسی طور بھی اس شخص کے لیے دروازہ نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ دوسری جانب' قدموں کی آواز دروازے کے بالکل قریب آکے رک گئی۔ اگلے ہی پل دروازے کا ہینڈل نیچے ہوا اور پھر شاید اسے بھی دروازہ مقفل ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔ کیونکہ ہینڈل ایک دوبار اوپر نیچے ہونے کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ اجیہ سکھ کا سانس لیتی "کی ہول" میں کھٹو پڑ ہوئی تھی اور اجیہ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دروازہ کھول کے اندر چلا آیا۔

"تم نے ناحق زحمت کی۔ اس گھر کے سارے دروازوں کی چابیاں میرے پاس ہیں۔" وہ پلٹ کے دروازہ مقفل کرتا بے نیازی سے بولا۔ اجیہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لاک کھولو!" وہ اسے تنفر سے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولی تو اس نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بازو پہ پڑا کوٹ — صوفے پہ اچھال دیا۔

"کیوں' تمہیں ڈر لگ رہا ہے کیا؟"

"شٹ اپ! تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ اس سارے تماشے کا کلائمکس کہ کسی گندے ارادے میں تمہاری کامیابی ہے تو یاد رکھنا! میں تمہیں یا خود کو مار تو دوں گی' مگر تمہیں تمہارے کسی برے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی!" وہ انگلی اٹھائے تیز لہجے میں بولی تو مقابل کے لبوں پہ پھیلتی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تم تو کسی مڈل کلاس گھرانے کی باحیا لڑکی کی طرح بات کر رہی ہو۔ جبکہ تم تو خود ایک بے حد لبرل ماں کی الٹرا ماڈرن بیٹی ہو۔ اس کی نہ تو خود کوئی حد تھی اور نہ ہی اس نے تمہیں کسی حد کی تمیز سکھائی ہے۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ انتہائی پرسکون لہجے میں بولا تو اجیہ سرتاپا سلگ اٹھی۔

"ہاؤ ڈیر یو! تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری ماں کے بارے میں ایسی بات کرنے کی؟"

"میں نے تو صرف سچائی بیان کی ہے۔ اب تمہیں کڑوی لگی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ کندھوں کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے بولا تو اجیہ غصے سے چلا اٹھی۔

"گیٹ آؤٹ! آئی سیڈ گیٹ آؤٹ فرام مائی روم!"

"یور روم؟ کیا بات ہے بھئی!" اس نے ستائشی لہجے میں کہتے ہوئے اجیہ کی جانب دیکھا۔

"لیکن اچھا لگا تمہارا یہ استحقاق۔ کیونکہ آج کے بعد میرا سب کچھ تمہارا اور تم سرتاپا میری ہو۔" گہری نظروں سے اسے تکتے ہوئے اس نے پلک جھپکنے میں درمیانی فاصلہ عبور کرتے ہوئے اجیہ کو دیوار سے لگا دیا تو بے یقین سی اجیہ کی سانس ایک پل کے لیے رک سی گئی۔

"چھوڑو! چھوڑو مجھے ذلیل انسان!" اگلے ہی لمحے وہ وحشت زدہ سی اپنے دونوں بازو اس کی گرفت سے نکالنے کو پورا زور لگاتے ہوئے چلائی تھی۔ لیکن اس پہ تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

"بس اتنی سی طاقت ہے؟ تم تو مجھے مارنے چلی تھیں۔" حظ اٹھاتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو اجیہ مارے بے بسی کے پھپھک کر رو پڑی۔

"چھوڑ دو' پلیز! مجھے چھوڑ دو۔"

"گو کہ مجھے تم سے محبت نہیں۔ مگر ایک بات ماننی پڑے گی۔ تم ہو بلا کی خوب صورت۔" اس کے رونے کی پروا کیے بنا بے باک نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے اس نے یک لخت ہاتھ بڑھا کے اجیہ کے چہرے پہ آئی لٹیں پیچھے ہٹانا چاہیں تو اس نے اپنے آزاد ہونے والے ہاتھ سے اس پہ حملہ کر دیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کے ناخن اسے چھو پاتے' مقابل نے دانت پیستے ہوئے سرعت سے اس کی دونوں کلائیاں جکڑ کر دیوار سے لگا دیں۔

"تمہارے خیال میں اگر اس سارے تماشے کا کلائمکس اس سین پہ ہونا تھا مس اجیہ! تو یہ تمہاری بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ جہاں تمہاری عقل ختم ہوتی ہے' وہاں سے اس کھیل کا آغاز — ہوتا ہے۔" اس پہ جھکے وہ انتہائی نفرت سے بولا تو اجیہ کا روتا بلکتا وجود چند لمحوں کی بے یقینی کے بعد ساکت ہو گیا۔ جب کہ وہ اس کی کلائیاں جھٹکتا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"تم جیسی لڑکیوں کو منہ لگانا تو دور' میں تمہاری طرف دیکھنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ سب میں نے تم پہ تمہاری اوقات واضح کرنے کے لیے کیا ہے۔ یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ تم میرے رحم و کرم پہ ہو اور تمہارے پاس میری بات ماننے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔" اس پہ نگاہیں جمائے وہ بے لچک انداز میں بولا۔ بے حس و حرکت کھڑی اجیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

"کیا؟ کیا چاہتے ہو تم؟" اسے اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"میرے صرف دو مطالبے ہیں....." اور اس کے مطالبات سن کے اجیہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

"ک... کون ہو تم؟ اور کس کے کہنے پہ یہ سب کر رہے ہو؟" اس کی شناخت اجیہ کے لیے اب بے حد ضروری ہو گئی تھی۔

"میرا بایو ڈیٹا بھی جلد پتا چل جائے گا۔ تم بس ذہنی طور پہ خود کو تیار کر لو۔"

وہ پلٹ کے صوفے کی جانب بڑھ گیا۔ اپنا کوٹ اٹھا کے وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا بت بنی اجیہ کے سامنے آکھڑا تو اس کی نظریں بے اختیاری کے عالم میں اس کے خوبرو چہرے پہ آٹھہریں۔

"یہاں فون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ملازموں سے کسی مدد کی امید مت رکھنا۔ وہ تمہیں میری حالات کی ماری منگیتر سمجھتے ہیں۔ جو مجھے بے حد عزیز ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ سفاکی سے مسکرایا۔

"گیٹ پہ نہ صرف چوکیدار موجود ہے۔ بلکہ میرے جانے کے بعد کتے بھی کھول دیے جائیں گے۔ اس لیے جان من! کوئی بھی بے وقوفی کرنے سے پہلے دوبار ضرور سوچ لینا۔" اک گہری نظر اس پہ ڈالتا وہ مضبوط قدموں سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اجیہ کی نظروں نے کسی معمول کی طرح اس کا پیچھا کیا۔

"اور ہاں۔" وہ یک لخت پلٹا۔ اجیہ کی خالی نگاہیں ایک بار پھر اس کے چہرے کی جانب اٹھ گئیں۔ "مجھے تم صبح ان کپڑوں میں نظر نہ آؤ۔ میں تمہیں اپنی پسند کے لباس میں دیکھنا چاہوں گا۔" اس پہ ایک آخری نظر ڈالتے وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔ تو اجیہ اپنے سنسناتے ہوئے ذہن کے ساتھ کارپٹ پہ گر سی گئی۔

"یہ۔ یہ سب.....؟" اس نے اپنا سر کانپتے ہاتھوں سے تھام لیا۔ بے یقینی اتنی شدید تھی کہ اس کی آنکھیں برسنا بھول گئی تھیں۔

"ممی! آپ... آپ کہاں ہیں ممی؟ خدا کے لیے مجھے ان درندوں سے بچائیں... پلیز ممی! میرے پاس

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

آجائیں۔" وحشت زدہ سی وہ یک لخت بلند آواز میں ماں کو پکارتی پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔

☼ ☼ ☼

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ مگر بازغہ خلیل کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ حالانکہ دن بھر وہ بے حد مصروف رہی تھیں۔ جسمانی طور پہ بھی اور دماغی طور پہ بھی۔ مگر اس کے باوجود بستر پہ لیٹتے ہی ان کی ساری سوچیں ایک ہی نقطے پہ مرکوز ہو گئی تھیں۔ انہیں پتا بھی نہیں چلا تھا اور آنسو ان کے چہرے کو بھگوتے، ان کے بالوں میں جذب ہونے لگے۔

کتنی ہی دیر وہ یونہی بے آواز روتی رہیں اور ان کی زندگی کا ساتھی ان سے ہاتھ بھر کے فاصلے پہ بے خبر سو تا رہا تھا۔ وہ تھک کر اٹھ بیٹھیں۔ ایک نظر گہری نیند میں ڈوبے خلیل جہانگیر پہ ڈالتے ہوئے انہوں نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا لیمپ روشن کیا۔

دراز کھول کے وہ اپنی نیند کی دوا ڈھونڈ رہی تھیں۔ جب کھٹ پٹ کی آواز اور کمرے میں پھیلی روشنی سے خلیل صاحب کی آنکھ کھل گئی۔

"کیا پرابلم ہے؟ کیوں ڈسٹربنس پھیلا رکھی ہے؟" مندی مندی آنکھوں سے ان کی پشت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بے زاری سے سوال کیا۔ ان کی اس درجہ بے حسی پہ بازغہ سرتاپا سلگ اٹھیں۔ ایک جھٹکے سے پلٹتے ہوئے انہوں نے اپنے نام نہاد شوہر کی جانب دیکھا۔

"تمہیں نہیں معلوم کیا پرابلم ہے؟" وہ غصے سے کھولتے ہوئے بولیں تو خلیل جہانگیر کی آنکھوں میں بھی غصہ پھیل گیا۔

"بہت اچھی طرح معلوم ہے۔ لیکن یہ تمہارا اپنا درد سر ہے۔ ہمارا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس لیے اپنا شور شرابا بند کرو اور باہر جا کے غم مناؤ۔" تیز لہجے میں کہتے وہ بے نیازی سے ان کی جانب سے رخ موڑ گئے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بازغہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"تم رنجیدہ ہو اور میں سو جاؤں۔ ایسا بھلا ہو سکتا ہے کبھی۔" یک لخت محبت کی چاشنی میں ڈوبی نرم آواز ان کے دل و دماغ میں گونجی تو بازغہ بری طرح چونک گئیں۔

"یہ بھلا میں کیا سوچنے بیٹھ گئی؟"

خود کو سرزنش کرتے ہوئے انہوں نے گھبرا کے دراز میں ہاتھ مارا اور مطلوبہ شیشی کے ہاتھ میں آتے ہی ایک کے بجائے دو گولیاں پانی کے ساتھ نگل لیں۔ آج انہیں یہ اچانک کیا ہوا تھا، وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ اپنی ہار تسلیم کر چکی تھی۔ اس شخص نے حقیقتاً "اپنی بات ماننے کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا۔ اسی لیے اس نے کسی کٹھ پتلی کی مانند اس کی ہدایت کے مطابق نہا دھو کے اس کے لائے ہوئے کپڑوں میں سے ایک جوڑا زیب تن کر لیا۔

وہ اپنے ناشتے کے آخری مراحل میں تھی، جب ہاجرہ نے آ کے اسے "اس کا پیغام دیا۔

"بی بی جی! آپ کو صاحب نیچے بلا رہے ہیں۔" اور وہ بلا چوں و چرا اٹھ کے اس کے ساتھ چل دی۔ اس نے اپنے کمرے کے باہر پہلی بار قدم رکھا تھا۔ مگر اس کا ذہن اتنا منتشر تھا کہ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کے اپنے اردگرد نہیں دیکھا تھا۔ بس خاموشی سے ہاجرہ کے پیچھے چلتی وہ اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے صوفے پہ براجمان تھا۔

"تم اتنی ہی بدتہذیب ہو یا تمہیں کسی نے سلام کرنا سکھایا ہی نہیں؟" ہاجرہ کے باہر جاتے ہی وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ وہ اندر ہی اندر کلس اٹھی۔

"کیوں بلایا ہے مجھے؟" اس کے طنز کو نظر انداز کیے اس نے سپاٹ لہجے میں استفسار کیا۔

"یہ دیکھنے کے لیے کہ تم میں ایک اچھی بیوی بننے کے گٹس ہیں یا نہیں؟" اس پہ نگاہیں جمائے وہ نہایت اطمینان سے بولا تو اجیہ سلگ اٹھی۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

"اوں ہوں! اچھی بیویاں اپنے شوہر سے اس طرح بات نہیں کرتیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "ویسے تم پہ یہ رنگ اور یہ لباس دونوں ہی بہت جچ رہے ہیں۔" دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ جو سرخ اور سیاہ کڑھائی والے سوٹ میں واقعی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

"اپنی حد میں رہو! اور بتاؤ کہ مجھے یہاں کس لیے بلایا ہے؟" غصے سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے کڑے لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

"پھر کیا سوچا تم نے۔ میری بات ماننی ہے یا۔۔۔؟" اس نے قصداً "اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اجیہ کی طرف دیکھا۔

"میں۔۔۔ میں تیار ہوں۔" نظریں چراتے ہوئے اس نے اپنی ہمت مجتمع کر کے جواب دیا۔ مقابل کے لبوں پہ بھرپور مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"گڈ! تو پھر چلو کام شروع کرتے ہیں۔" اس نے بائیں ہاتھ سے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ متذبذب سی اجیہ لب چباتی صوفے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بھئی! مبارک ہو آپ سب کو۔" بہروز اور شہباز حسن آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے تو وہاں موجود سب ہی افراد ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یقیناً "کوئی بڑی خوش خبری تھی۔ جو وہ دونوں بھائی سب کام چھوڑ چھاڑ گھر بھاگے آئے تھے۔

"انہوں نے کیس واپس لے لیا ہے۔" بہروز صاحب نے مسکراتے ہوئے سب کو مطلع کیا تو مارے حیرت کے سب گنگ رہ گئے۔

"کیا؟ لیکن آپ کو کیسے پتا چلا؟" جبین بیگم نے شوہر کی جانب دیکھا۔

"اصغر صاحب آئے تھے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ان کے وکیل کا فون آیا تھا۔ وہ کیس واپس لے رہے ہیں۔" بہروز حسن نے اپنے وکیل کا حوالہ دیا تو فاطمہ بیگم حیرت زدہ سی بولیں۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ لوگ بنا کسی مطالبے یا بات چیت کے اپنا ہی دائر کیا ہوا مقدمہ کیسے واپس لے سکتے ہیں؟"

"یہی تو ہماری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ بھابھی کی جانب دیکھتے صوفے پہ بیٹھ گئے۔

"تم لوگوں کی بات ہوئی شاہی سے؟" اب تک خاموش بیٹھے داؤد صاحب نے سوال کیا۔

"تفصیل سے تو نہیں۔ لیکن بات ہوئی ہے شاہی سے۔ وہ ایک پارٹی کے ساتھ مصروف ہے۔ کہہ رہا تھا کہ شام میں گھر آ کے بات کرے گا۔" انہوں نے باپ کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ الجھے الجھے سے کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

"وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اس بلا سے جان چھوٹی۔" مطمئن سی جبین بیگم نے مسکرا کر کہا تو فاطمہ بھی مسکرا دیں۔

"صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔ میرے خیال میں ہمیں عالی آپا اور مہناز کو بھی یہ خوش خبری دے دینی چاہیے۔" انہوں نے دونوں نندوں کا حوالہ دیا۔

"بالکل۔" جبین نے دیورانی کی تائید کی۔ بہروز صاحب مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا بھئی! تم لوگ جا کے اطلاعات دو۔ ہم دونوں فیکٹری چلتے ہیں۔" ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے داؤد صاحب کی طرف دیکھا، جو کسی سوچ میں ڈوبے بیٹھے تھے۔

"خیر تو ہے بابا! آپ اتنے چپ چپ سے کیوں ہیں؟"

"یہی سوچ رہا ہوں کہ یہ سب کیسے ہوا؟" انہوں نے نظریں اٹھاتے ہوئے بیٹے کا چہرہ دیکھا۔

"یہ تو اب شاہی ہی بتا سکتا ہے۔"

"اور اگر یہ سب اس کے بھی علم میں نہ ہوا تو۔۔۔؟"

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"تو پھر ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" وہ دھیرے سے بولے تو داؤد صاحب خاموش ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

اجیہ نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے نمبر ملا کے موبائل کان سے لگایا۔ اپنے منہ سے اپنی ماں کو ایسی اذیت دینے کے خیال سے بار بار اس کی آنکھیں بھر رہی تھیں۔ مگر وہ اپنے برابر بیٹھے شخص کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو گئی تھی کہ وہ چاہ کر بھی اپنی ماں کو اس تکلیف سے نہیں بچا سکتی تھی۔

دوسری طرف سے کال ریسیو کرلی گئی تھی۔ اجیہ کا دل اچھل کے حلق میں آگیا۔

"ہیلو!" بازغہ کی "ہیلو" کے جواب میں اس نے پھنسی ہوئی آواز میں "ہیلو" کہا تو اس کے برابر بیٹھے شخص نے اچانک ہاتھ بڑھا کے اس کا ٹھنڈا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی اس حرکت پہ اجیہ نے تڑپ کے آنسو بھری آنکھیں اٹھائیں۔ مگر اس کی نظروں سے چھلکتی تنبیہہ نے اسے اس حرکت کا مقصد اچھی طرح سمجھا دیا۔

"ہیلو ممی!" اس پر سے نگاہیں ہٹا کر اجیہ نے اب کے اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف بازغہ کا پورا جسم کان بن گیا۔

"کون... اجیہ بول رہی ہو؟" انہوں نے بے قراری سے استفسار کیا۔ اجیہ نے اپنی سسکی کا گلا گھونٹنے کو اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔

"ہیلو اجیہ!" دوسری طرف سے بازغہ کی بے چین پکار سنائی دی تو اس کے برابر بیٹھے شخص نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے اسے بولنے کا اشارہ دیا۔

"ج... جی ممی!"

"ممی کی بچی۔ اتنا سب کرنے کے بعد تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے فون کرنے کی؟ سارے جہاں کی خاک میرے سر میں ڈلوانے کے بعد تم نے مجھے اب کس لیے فون کیا ہے... ہاں؟" اس کی آواز سنتے ہی بازغہ بے اختیار پھٹ پڑیں۔ ان کا یوں بری طرح چلانا اس کے برابر بیٹھے شخص کے لبوں پہ بڑی بھرپور مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"مم... میں آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔" وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں کیا جواب دے۔

"میری جان مزید جلانا رہ گئی تھی کیا، جو مجھ سے بات کرنا چاہ رہی تھیں... ارے! میں پوچھتی ہوں کہ اگر یہی گل کھلانا تھا تو دانش کے ساتھ کون سا ڈرامہ رچا رکھا تھا؟ تمہیں یہ گھٹیا حرکت کرتے ذرا حیا نہ آئی؟ یا پھر جس کے ساتھ منہ کالا کیا تھا، اس سے دل بھر گیا تھا؟"

"فار گاڈ سیک ممی! پلیز اسٹاپ اٹ..." اجیہ یک لخت چلاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تو اس شخص نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کے موبائل اس سے لے لیا۔ اجیہ نے سسکتے ہوئے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"کب سے ڈانٹے جا رہی ہیں میری اجی کو۔ اب بس بھی کریں نا ممی جی۔" اس نے "ممی جی" پہ زور دیتے ہوئے کہا۔ بازغہ ایک پل کو حیران رہ گئیں۔ لیکن اگلے ہی پل ان کا خون کھول اٹھا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھ سے مخاطب ہونے کی؟ ذلیل، کمینے انسان۔"

"جرات کی کیا بات کرتی ہیں ممی جی! ذرا اپنے بھائی اور بھتیجے سے پوچھیں۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ کتنا جری ہوں میں۔" ان کی حالت سے حظ اٹھاتا وہ مسکرا کر بولا تو بازغہ کے تلووں سے لگی اور سر پہ بجھی۔

"جانتی ہوں تم جیسوں کی اوقات... نہ جانے کس گھٹیا خاندان کی پیداوار..."

"اوں ہوں! خاندان تک مت پہنچیں ممی جی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی گم گشتہ رشتہ ہی نکل آئے۔" ایک نظر روتی ہوئی اجیہ پہ ڈال کر اس نے جتاتے ہوئے لہجے میں انہیں ٹوکا تو بازغہ بری طرح چونک گئیں۔

"کیسا رشتہ؟"

"وہی کوئی پہلا پرانا، بے حد قریبی رشتہ۔" اس نے قصداً انہیں جلانے کو پراسرار لہجے میں کہا۔ بازغہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"بکواس بند کرو اپنی اور سیدھے طریقے سے بتاؤ! کون ہو تم؟"

"غصہ نہ کریں ممی جی! ایسا نہ ہو کہ آپ سچ کی تاب نہ لاسکیں اور سیدھا اوپر..." وہ بے اختیار قہقہہ لگا کے ہنس پڑا تو اپنے دھیان میں روتی ہوئی اجیہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"زوار علی نام ہے میرا... محترمہ بازغہ خلیل صاحبہ! زوار علی... کچھ یاد آیا؟" اجیہ کی آنسو بھری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا تعارف کروایا تو جہاں دوسری طرف سناٹا چھا گیا۔ وہیں ایک نام اجیہ کے ذہن کے کسی کونے سے نکل کر ہر بھید کھول گیا۔

"ہیلو... مسز خلیل آپ زندہ ہیں یا... چچ چچ... سچ بڑا ترس آرہا ہے مجھے آپ پہ۔ آپ کی زندگی بھر کی محنت پہ پانی پھر گیا اور آپ کی بیٹی کو آپ کے دشمنوں سے محبت ہو گئی۔ کب، کیسے یہ ایک بڑی عجیب سی کہانی ہے۔ لیکن مختصر یہ کہ آپ کی لاڈلی نے آپ کی دشمنی کو آگے بڑھانے سے انکار کر دیا۔ یقین مانیں! اجیہ نے ہر بات جانتے بوجھتے ہوئے مجھ سے رشتہ جوڑا ہے۔ کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ بھی اب اپنی شکست تسلیم کر..." اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

"لو... انہوں نے فون ہی بند کر دیا۔ شاید ہمت جواب دے گئی بے چاری کی۔" خود کلامی کرتے ہوئے اس نے موبائل ایک طرف رکھ کے بت بنی بیٹھی اجیہ کی جانب دیکھا۔

"کہو ڈارلنگ! کیسا لگا سرپرائز؟" اس نے فاتحانہ مسکراہٹ لیے سوال کیا۔ تو شاک کے عالم میں بیٹھی اجیہ پھٹ پڑی۔

"بے حد گھٹیا، گرا ہوا اور بزدلانہ... ایسا قدم تم جیسے ذلیل اور کمینے لوگ ہی اٹھا سکتے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، وہ بھرپور نفرت سے بولی مگر مقابل پہ اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اس کی جانب دیکھتا یوں ہی مسکراتا رہا۔

"نہیں میری جان... ایسا قدم ہم صرف تم جیسے ذلیل اور کمینے لوگوں کے لیے ہی اٹھاتے ہیں۔ تم اور تمہاری ماں جیسی بے لگام مخلوق کو اس کی اوقات یاد دلانا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔ تم نے کیا سوچا تھا کہ تم جو چاہو گی، وہ کر گزرو گی اور کوئی تمہیں پوچھے گا بھی نہیں...؟ نہیں اجیہ صاحبہ! ہر بار ایسا نہیں ہوتا۔ تم نے اس عذاب کو خود دعوت دی ہے۔ اب سزا بھگتنے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ۔" اس کے چہرے پہ نظریں گاڑے وہ سفاک لہجے میں بولا اجیہ کے پورے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

"دیکھو! تم نے جو کہا تھا، وہ میں نے کر دیا۔ اب مجھے جانے دو۔"

"تو جاؤ نا سویٹ ہارٹ! کس نے روکا ہے؟" اس نے استہزائیہ انداز میں اجیہ کی طرف دیکھا۔ "لیکن ایک بات ہے۔ تم جاؤ گی کہاں؟ تم کیا سمجھتی ہو کہ میں نے تم سے تمہاری ماں کو یوں ہی فون کروایا تھا؟" اس نے طنزیہ مسکراہٹ لبوں پہ لیے سوال کیا۔ "نو مائی انوسینٹ ڈول! میں تمہارے اپنے ہاتھوں سے اس تابوت میں آخری کیل ٹھکوانا چاہتا تھا۔ تاکہ کوئی بھی کبھی تمہاری مدد کے لیے نہ آسکے۔ اب تمہارا ہر راستہ مجھ تک آتا ہے اور میں تم پہ پورا پورا حق رکھتا ہوں۔ آفٹر آل تمہارا شوہر جو ہوں۔" اس کے فق ہوتے چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ آخر میں بھرپور انداز میں مسکرایا۔

اجیہ کو ہفت آسمان اپنی نگاہوں میں گھومتے محسوس ہوئے تھے۔ کس قدر مکار تھا یہ شخص اور کتنی مربوط پلاننگ تھی اس کی۔ وہ تو حقیقتاً "کہیں کی بھی نہیں رہی تھی۔

"نہیں... کچھ نہیں لگتے تم میرے۔ کوئی حق نہیں ہے مجھ پہ تمہارا۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ جیسے پاگل ہو دینے کو تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔ شادی کر لو مجھ سے۔" اس کی

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

طرف دیکھتا وہ نہایت اطمینان سے بولا۔ اجیہ مارے حیرت کے گنگ ہو گئی۔

"ایک بات یاد رکھنا اجیہ! یہ نکاح میری نہیں تمہاری مجبوری ہے۔ کیونکہ میں تو اپنا کام نقلی نکاح نامے سے بھی چلا لوں گا۔" اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں جھانکتا وہ سپاٹ لہجے میں اسے باور کرواتا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔ اچھی طرح سوچ لو۔" فیصلے کا اختیار اسے سونپ کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔

ساکت بیٹھی اجیہ کو اپنا آپ مکڑی کے ایسے جال میں پھنستا محسوس ہو رہا تھا۔ جس میں سے نکلنے کا ہر راستہ لحظہ بہ لحظہ بند ہوتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بازغہ کے بے جان ہاتھوں سے فون پھسل کر ان کے قدموں میں پڑا تھا۔ لیکن انہیں کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ ان کے کانوں میں صرف ایک ہی بازگشت تھی۔

"آپ کی بیٹی کو آپ کے دشمنوں سے محبت ہو گئی ہے۔"

"یہ... یہ کیا ہو گیا؟ اجیہ... اجیہ نے کیسے؟" شل ہوتے ذہن کے ساتھ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"یا اللہ! میں خلیل، منیر سب کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ میں ان سے کیا کہوں گی کہ اجیہ نے زوار، زوار علی سے شادی..." انہوں نے بے اختیار اپنے بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

"اور وہ لوگ جنہیں میں نے ساری زندگی کسی قابل نہیں جانا تھا۔ وہ... وہ کیسے ہنستے ہوں گے مجھ پہ کتنا مذاق اڑاتے ہوں گے میری بے وقوفی کا۔" ان کے اندر برپا شکست اور شرمندگی کا طوفان حد سے گزرنے لگا۔ انہوں نے ہاتھ مار کر سائیڈ ٹیبل پہ سجی کتنی ہی چیزیں گرا دیں۔

"اللہ تجھے غارت کرے اجیہ! تو نے اپنی ماں کو دھوکا دیا۔ مجھ سے غداری کی۔ میں تجھے کبھی نہیں بخشوں گی دھوکے باز لڑکی۔ کبھی نہیں۔" کف اڑاتی وہ اس پل جیسے خود سے بھی بے گانہ ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

قاضی اور گواہوں کے روبرو، سپاٹ چہرے اور خالی آنکھوں والی اجیہ نے بالکل میکانکی انداز میں ساری کارروائی نپٹائی تھی۔ یوں جیسے وہ اپنی زندگی کا نہیں۔ بلکہ کسی اور کی زندگی کا فیصلہ کر رہی ہو۔

وہ دس منٹ جو زوار علی نے اسے خیرات میں سوچنے کے لیے دیے تھے۔ وہ اگر یہ تکلف نہ بھی کرتا۔ تب بھی اجیہ کا یہی فیصلہ ہونے والا تھا۔ اپنا سب کچھ گنوانے کے بعد اس میں اپنی عزت اور وقار گنوانے کا حوصلہ نہ تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں داؤ پہ لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیکن نکاح کے بعد جب وہ اس کے سامنے آیا تھا۔ تب اجیہ کو اس حقیقت کا احساس بڑی شدت سے ہوا تھا کہ وہ خو کو کس حد تک بے دست و پا کر چکی تھی۔

"ہاں تو مسز اجیہ زوار! کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ خود کو اپنے دشمن کو سونپ کے؟" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا اجیہ کی آنکھوں سراسیمگی اتر آئی۔ مگر اس نے کمال ہمت سے خود کو سنبھالا تھا۔

"ایک بات یاد رکھنا زوار علی! تمہاری دھوکے بازی نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تم غلط تھے... ہو اور رہو گے... کیونکہ اگر تم حق پہ ہوتے تو کبھی ایسے اوچھے ہتھکنڈوں کا سہارا نہ لیتے اور میں دھوکے بازوں کے ساتھ سوائے نفرت کے دوسرا کوئی رشتہ کبھی نہیں بناؤں گی۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ حوصلے سے بولی تو زوار کے لبوں پہ اک استہزائیہ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"تمہارے منہ سے غلط اور صحیح کی بات کچھ جچتی نہیں اجیہ صاحبہ! لیکن بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ نفرت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہوں گا۔ کیونکہ میرے نزدیک تم جیسی بے حس لڑکی کسی جذبے، کسی رشتے کے لائق نہیں... ویسے بھی میں نے تمہیں عزت اور مان دینے کے لیے نہیں اپنایا۔ میں نے بازغہ خلیل کو ایک ناقابل فراموش شکست اور تمہیں ایک ناقابل فراموش سبق دینے کے لیے اپنایا ہے۔ اس لیے اپنی اوقات مت بھولو اور چلنے کی تیاری کرو۔"

"کہاں؟ کہاں لے جانے لگے ہو مجھے؟" اس کی بات پہ اجیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسے اپنا بدترین خدشہ صحیح ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"میں نے کہا نا اپنی اوقات مت بھولو۔ میں نے تمہیں سوال کرنے کا کوئی حق نہیں دیا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ سرد لہجے میں بولا۔ اجیہ کا چہرہ فق ہو گیا۔

"نہیں... میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"اچھا...!" زوار نے اک طنزیہ نظر اس کی اڑی رنگت پہ ڈالی۔ اگلے ہی لمحے وہ اس کی کلائی جکڑے کسی بے جان گڑیا کی طرح اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

☼ ☼ ☼

عالیہ اور مہناز اتنی خوشی کی خبر سن کے پہلی فرصت میں دوڑی چلی آئی تھیں۔ ان کے آنے سے "حسن ولا" میں اتری رونق دوچند ہو گئی تھی۔ بہروز اور شہباز حسن بھی گھر جلد واپس آ گئے تھے۔ سب ہی خوش اور مطمئن تھے۔ لیکن ایک اہم سوال ان سب ہی کو بے چین کیے ہوئے تھا۔

"پتا نہیں، یہ شاہی کہاں رہ گیا ہے؟" شہباز صاحب نے ایک نظر گھڑی پہ ڈالتے ہوئے کہا شام کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔

"آپ ذرا پتا تو کروائیں، کس پارٹی کے ساتھ گیا ہے؟" متفکر سی جبین نے کہتے ہوئے بہروز حسن کی جانب دیکھا۔ تب ہی باہر گیٹ پہ جانا پہچانا سا ہارن سنائی دیا۔

"لو... آ گیا تمہارا لاڈلا۔" بہروز صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سب کی نظریں داخلی دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔ جو چند لمحوں میں وا ہوا اور شاہی اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم!" لاؤنج میں موجود سب چہروں کو دیکھتے ہوئے اس نے بھرپور مسکراہٹ لیے سلام کیا تو سب ہی کھل اٹھے۔

"وعلیکم السلام... کدھر رہ گئے تھے بیٹا؟" وہ حسب عادت سب سے پہلے بابا جان کی طرف بڑھا انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے اسے پاس بٹھا لیا۔

"بس بابا! ایک بہت ضروری کام آ گیا تھا۔ اسی لیے دیر ہو گئی۔ ویسے آپ سب کو بہت مبارک ہو۔" اس نے چمکتا چہرہ لیے تمام حاضرین محفل کی جانب دیکھا۔ داؤد حسن بے اختیار خاموش ہو گئے۔

"خیر مبارک بیٹا... لیکن یہ سب ہوا کیسے؟" شہباز صاحب نے خوشگوار حیرت سے بھتیجے کی جانب دیکھا۔ شاہی کے لبوں پہ اک گہری مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"ان کے اپنے انداز سے ڈیڈی۔"

"کیا مطلب؟" شہباز صاحب نے الجھ کے بہروز حسن کی طرف دیکھا۔ جبکہ ثانیہ کے ذہن میں دو، تین دن پیشتر کی گفتگو تازہ ہو گئی تھی۔ اس نے یک لخت پریشان نظروں سے بھائی کا چہرہ دیکھا۔ جس پہ عجیب سے تاثرات سجے تھے۔

"یہ تو اب مجھے بھی نہیں پتا ڈیڈی!" اس نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔ بہروز صاحب کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"کیا بدتمیزی ہے شاہی! سیدھے طریقے سے بتاتے کیوں نہیں کہ کیا ہوا ہے؟" تب ہی باہر کچھ عجیب سی آواز آئی تھیں اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا، لاؤنج کا دروازہ ایک جھٹکے سے دھکیل کے کوئی آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوا تھا اور سب کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے تھے۔ نہ صرف آنے والے کو دیکھ کر۔ بلکہ اپنے سامنے موجود عجیب سے منظر پہ بھی۔

"کیا... یہ... یہ تو..." مہناز نے پھٹی پھٹی بے یقین

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

آنکھوں سے عالیہ کی طرف دیکھا۔ جو شاید خود بھی پہچان کا مرحلہ طے کرچکی تھیں۔ ان کے علاوہ کسی اور نے پہچانا تھا یا نہیں۔ لیکن سوائے شاہی اور سہمی ہوئی لڑکی کے سب ہی دہل کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جبکہ بہروز اور شہباز حسن تیزی سے آگے بڑھے۔

"زوار! چھوڑو اسے۔" انہوں نے روتی بلکتی اجیہ کو اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر وہ ان کی مداخلت کی پروا کیے بنا اسے کھینچتا ہوا لاؤنج کے وسط میں لے آیا اور ایک جھٹکے سے اسے ایک طرف رکھے صوفے پہ پھینک دیا۔

"آپ لوگ سب حیران تھے نا کہ کیسے ہوا کیس کا فیصلہ؟" اس نے غصے سے سب کی جانب دیکھا۔ "ایسے ہوا کیس کا فیصلہ" اس نے اجیہ کی طرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ سب کے دل دھک سے رہ گئے اور وہ سب جو زوار کے ساتھ آنے والی کو پہچان نہ سکے تھے یا سرے سے ہی اس سے واقف نہ تھے۔ بنا کسی تعارف کے اسے جان گئے تھے۔

"یہ لاتوں کے بھوت ہیں۔ باتوں سے ان پہ بھلا کیا اثر ہونا تھا۔" اس نے کھا جانے والی نظریں سے روتی ہوئی اجیہ کو دیکھا۔ بہروز صاحب غصے سے اس کے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی' یہ سب کرنے کی؟ کس سے پوچھ کر تم نے اتنا بڑا قدم اٹھایا... ہاں؟ بلکہ تمہیں اس سارے معاملے میں کودنے کی دعوت کس نے دی تھی؟"

"میں نے بتایا تھا بھائی کو۔" شاہی یک لخت اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ سب کی نظریں اس پہ جا ٹھہریں۔

"تو تم نے سارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے اس کے ہاتھ میں سونپ دیا؟" بہروز حسن نے تیز نظروں سے چھوٹے بیٹے کو گھورا۔

"جی... کیونکہ میرے بجائے اس معاملے میں ان کا فیصلہ زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔" اس نے ایک نظر اجیہ پہ ڈالتے ہوئے کہا تو زوار تیز لہجے میں بولا۔

"میں اس گھر کا بڑا بیٹا ہوں بابا! آپ مجھے اس گھر کے معاملات سے الگ نہیں کرسکتے۔"

"اور کیا خوب سلجھایا ہے تم نے اس گھر کا معاملہ۔ لے کر زبردستی اس بچی کو اٹھا لائے ہو۔" انہوں نے اشتعال سے اسے دیکھا۔

"زبردستی نہیں لایا اس بچی کو۔" اس نے لفظ "بچی" کو غصے سے ادا کیا۔ نکاح کیا ہے میں نے اس سے۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا تو سوائے ایک شاہی کے' باقی سب کی آنکھیں ابل پڑیں۔ داؤد حسن بے اختیار پاس رکھے صوفے پہ گر سے گئے تھے جبکہ جبین بیگم سینے پہ ہاتھ رکھے پیلی پڑ گئیں۔

"جی! نکاح کیا ہے اور وہ بھی زور زبردستی۔" روتی ہوئی اجیہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی چلائی۔ "آپ لوگ اتنے گرے ہوئے اور لالچی نکلیں گے' میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔" اس نے نفرت بھری نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔ داؤد صاحب نے مارے کرب کے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

"تمہاری چھوٹی سوچ اس سے آگے بڑھ بھی نہیں سکتی اجیہ صاحبہ! حالانکہ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ تمہاری بے لگامی کی سزا ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے محترمہ! کہ وہ بے بنیاد مقدمہ تو ہمیں ویسے بھی جیت جانا تھا۔ ہاں! لیکن جو کچھ تم نے میرے دادا' باپ اور چچا کے ساتھ کیا۔ جس طرح تم نے انہیں سب کے سامنے ذلیل کیا۔ وہ ناقابل معافی تھا۔ یہ ہمارے بڑوں کی اعلا ظرفی تھی کہ وہ آج تک تمہیں اور تمہاری ماں کو معاف کرتے چلے آئے تھے۔ لیکن ہر زیادتی اور ہر صبر کی ایک حد ہوتی ہے اور تم نے اس دن وہ حد پار کرلی تھی۔" اسے بازو سے پکڑ کے وہ ایک جھٹکے سے اپنے روبرو کرتا ہوا بولا۔ اجیہ غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے دھاڑی۔

"بہت اچھا کیا تھا میں نے۔ یہ لوگ اسی قابل..." اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرپاتی' زوار کا ہاتھ

پوری طاقت سے اس کے چہرے پہ پڑا۔ اتنی شدت سے کہ زوار کی چین والی گھڑی کھل کے اس کی ہتھیلی تک آ گئی تھی۔ جبکہ اجیہ نیچے جا گری تھی۔

"زوار!" سب کی چیخیں نکل گئیں۔ شہباز صاحب سرعت سے بلکتی ہوئی اجیہ کی جانب بڑھے تھے۔ جبکہ شاہی نے تیزی سے آگے بڑھ کے بھائی کا بازو پکڑا تھا۔

"چھوڑو مجھے شاہی... آج میں اسے بتاتا ہوں کہ یہ کس قابل ہے۔" وہ خود کو چھڑاتے ہوئے غصے سے بولا۔ داؤد صاحب کا ضبط جواب دے گیا۔

"بہت ہوا تماشا! میں مزید اب ایک لفظ برداشت نہیں کروں گا۔" ان کی بارعب آواز لاؤنج میں گونجی تو سب ہی اپنی جگہ پہ ساکت ہوگئے۔

"زوار! تم ابھی اس وقت اجیہ کو منیر کے گھر واپس چھوڑ کے آؤ۔" انہوں نے حکمیہ لہجے میں کہتے ہوئے پوتے کی جانب دیکھا۔ تو وہ خود کو سنبھالتے ہوئے مودب' لیکن اٹل لہجے میں بولا۔

"معذرت کے ساتھ بابا... لیکن یہ اب یہیں رہے گی۔ انہی لوگوں کے درمیان جن سے اسے شدید نفرت ہے۔ یہی اس کی سزا ہے۔"

"دیکھو بیٹا! یہ رشتے ناتے دلوں کے سودے ہوا کرتے ہیں۔ انہیں زور زبردستی نہیں جوڑا جاسکتا۔ اس کے دل میں ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں... کوئی بات نہیں... اس نے جو کچھ بھی کیا۔ میں اس کے لیے اسے معاف کرچکا ہوں۔ تم بھی اسے معاف کردو بیٹا!" موقعے کی نزاکت دیکھتے ہوئے داؤد صاحب نے اب کے نرم لہجے میں اسے سمجھایا تو زوار کے لبوں پہ اک پھیکی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"یہ آپ کی اعلا ظرفی اور محبت ہے بابا! لیکن میں نہ تو آپ جتنا اعلا ظرف ہوں اور نہ ہی اتنی اچھائی کا قائل کہ لوگ میری نیک نیتی اور بھلائی کو میری کمزوری سمجھنے لگیں۔ بازغہ خلیل نے ہماری عزت و ناموس کو کئی مرتبہ چوٹ پہنچائی ہے۔ مگر اب اور نہیں۔ میں نے اس کھیل کو ایسا انجام دیا ہے کہ وہ اب مرتے دم تک کبھی اس شکست کو نہیں بھولے گی۔"

"لیکن مجھے اس عورت کی بیٹی' بہو کے طور پہ قبول نہیں۔" جبین تیزی سے زوار کی طرف بڑھتے ہوئے غصے سے چلائیں۔

"تو کس نے کہا' یہ آپ کی بہو ہے؟ آپ کی بہو وہی ہوگی' جسے آپ سب خود بیاہ کرلائیں گے۔"

"کیوں ہمارا تماشا بنواتے ہو زوار! خدا کے واسطے اس لڑکی کو واپس چھوڑ کے آؤ۔" وہ پھپھک کے رو پڑیں۔ زوار ایک پل کو لب بھینچ کے رہ گیا۔

"ایک بات تو طے ہے امی! کہ یہ اب یہاں سے کہیں نہیں جائے گی... اور اگر آپ لوگوں نے مجھے بہت مجبور کیا تو میں اسے لے کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا کہ آپ سب دوبارہ کبھی میری شکل نہیں دیکھ سکیں گے۔" سرد سپاٹ لہجے میں اپنی بات مکمل کرکے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ سب اس نئی افتاد پہ سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔ جبکہ داؤد حسن کی تھکی تھکی سی نظریں بے اختیار پھوٹ پھوٹ کے روتی اجیہ

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا

کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے

کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب

کھانا خزانہ

قیمت -/225 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔

آج ہی -/800 روپے کا منی آڈر ارسال فرمائیں۔

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32216361

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

پہ جا ٹھہری تھیں۔

"جاؤ بیٹا! اسے اندر لے جاؤ۔" صوفے پہ گرتے ہوئے انہوں نے بنا کسی کو مخاطب کیے دل گرفتگی سے کہا۔ چند لمحوں کی پس و پیش کے بعد ثانیہ 'علینہ کو لیے آگے بڑھی۔ لیکن جوں ہی انہوں نے اسے ہاتھ لگایا' وہ بے اختیار چلا اٹھی۔

"خبردار! جو تم میں سے کسی نے مجھ سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔ مجھے تم سب دھوکے بازوں سے نفرت ہے۔ شدید نفرت۔" دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہ با آواز بلند رونے لگی۔ داؤد صاحب کا چہرہ آن واحد میں پھیکا پڑ گیا۔ وہ بمشکل تمام اپنی ہمت جمع کرتے ہوئے اٹھے۔ لب دانتوں تلے دبائے 'مگر شاہی ان پہ نظر پڑتے ہی چونک گیا۔

"بابا! آپ ٹھیک تو ہیں؟" اس نے سرعت سے آگے بڑھ کے انہیں تھاما تو سب ہی پریشان سے ان کی جانب لپکے۔

"مجھے کمرے میں لے چلو۔" وہ کمزور سے لہجے میں بولے۔ شاہی سمیت سب ہی انہیں لیے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ روتی ہوئی علینہ پانی لینے کے لیے کچن کی طرف بھاگی۔

انہیں بیڈ پہ تکیوں کے سہارے بٹھا کر پانی پلاتے ہوئے یک لخت عالیہ بیگم کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔ ندامت سے ان کی سمت تکتا شاہی لب بھینچ کر رہ گیا۔

"شاہی!" داؤد صاحب نے دھیرے سے اسے پکارا تو وہ بے اختیار ان کے قریب ہوا۔

"جی بابا۔"

"تمہیں اس سب کے بارے میں علم تھا؟" اس کا چہرہ تکتے ہوئے انہوں نے آہستگی سے پوچھا۔

"جی بابا!" وہ بے اختیار نظریں چرا گیا تو بہروز صاحب کی مارے غصے کے مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"تم نکاح میں بھی شریک تھے؟" ان کی آواز میں موجود تھکن جیسے دو چند ہو گئی تھی۔

"جی۔" شاہی کا سر اس کے سینے سے جا لگا تھا۔ کمرے میں بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔

"تم لوگ جاؤ۔ میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ شکستہ سے بولے تو شاہی تڑپ اٹھا۔

"پلیز بابا۔ ہمارا مقصد آپ کو۔"

"شاہی۔ میں نے کہا نا سب جاؤ یہاں سے۔" انہوں نے دھیمے۔ لیکن سخت لہجے میں کہتے ہوئے پلکیں موند لیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی سب کو باہر جانا پڑا۔

غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے داؤد صاحب کے ذہن میں بے اختیار اجیہ کا نفرت میں ڈوبا چہرہ گھوم گیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

کتنی آرزو تھی ان کی کہ وہ اس کی ہر بدگمانی' ہر نفرت کو دور کر کے مرنے سے پہلے ایک بار' سے اپنے سینے سے لگا لیں۔ مگر ان کی بدقسمتی کہ ان کی یہ آرزو اب بھی پوری نہیں ہونے والی تھی۔ تبھی تو وہ اس وقت بھی شدید خواہش کے باوجود اپنے سامنے بلکتی اجیہ کو اٹھا کے خود سے لگا نہ سکے تھے۔ اسے اپنے ہونے کا یقین نہیں دلا سکے تھے۔

اپنی اس درجہ بے بسی پہ ان کے آنسوؤں میں شدت در آئی اور بے اختیار وہ وقت انہیں یاد آنے لگا جب زندگی ان تمام تکلیفوں سے عاری بہت اجلی' بہت خوب صورت تھی۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

پاکستان ویب اور
WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ناولٹ

مہوش افتخار

تیری دسترس میں درماں

اجیہ اپنی والدہ بازغہ اور سوتیلے باپ خلیل کے ساتھ پاکستان سے باہر رہتی ہے۔ اس کے والدین کی علیحدگی ہو گئی تھی۔ جس کے بعد اس کی والدہ بازغہ نے خلیل سے دوسری شادی کی اور اجیہ کو اپنے ساتھ جرمنی لے گئی تھی۔ اجیہ کا رشتہ بچپن ہی سے اس کے سگے چچا زاد زوار سے طے ہے۔ مگر وہ اپنے ددھیال والوں سے خائف ہے۔ کیونکہ بازغہ نے ان کے ظلم ستم کی داستانیں سنا کے اجیہ کو ان سے متنفر کیا ہوا تھا۔ اجیہ نے پاکستان آکر اپنے ددھیال والوں پر جائیداد کا مقدمہ کر دیا۔ اجیہ نے اپنے دادا سے بدتمیزی بھی کی۔ زوار کو یہ پتا چلا تو اسے بے حد غصہ آیا۔

اجیہ کو پاکستان میں مقیم اپنا ماموں زاد دانش پسند آگیا۔ دونوں کی رضامندی سے ان کی منگنی طے ہو گئی۔

منگنی کی تقریب کے دوران اچانک زوار وہاں پہنچا اور دعوا کیا کہ اجیہ اور وہ نکاح کر چکے ہیں۔ اجیہ نے اس سے انکار کیا۔ مگر کسی نے بھی اس کی بات کا یقین نہ کیا۔ کیونکہ زوار کے پاس نکاح نامہ بھی موجود تھا۔ اجیہ کے ماموں منیر حسین نے اجیہ کے احتجاج کے باوجود اجیہ کو زوار کے حوالے کر دیا۔

اپنے ساتھ لا کر زوار نے اجیہ سے زبردستی نکاح کر لیا اور اس پر دباؤ ڈال کر اسے کیس واپس لینے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد زوار علی اجیہ کو اپنے گھر لے آیا اور گھر والوں کو بتا دیا کہ اس نے اجیہ سے نکاح کر لیا ہے۔

۲
دوسری اور آخری قسط

"مبارک ہو بھئی۔ حسین اس نالائق کو اپنی فرزندی میں لینے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔" داؤد صاحب، اماں جان کو لیے مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو اس اطلاع پہ سب ہی کے چہرے کھل اٹھے۔ بہروز حسن اور جبین اٹھ کر بابا جان اور اماں جان کے گلے لگ کر انہیں مبارک باد دینے لگے۔ جبکہ دونوں چھوٹے بہن بھائی، مہناز اور شہباز، نجیب حسن کے سر ہو گئے تھے۔

"ہاں بھئی برخوردار! مبارک ہو تمہیں!" داؤد صاحب نے آگے بڑھتے ہوئے کہا تو جھینپے جھینپے سے نجیب حسن اٹھ کر پہلے باپ اور پھر ماں کے گلے لگ گئے۔

"میں جا کر ذرا عالی کو فون کرتی ہوں۔" جبین سب کا منہ میٹھا کروانے کے بعد پرجوش سی اندر کی جانب بڑھیں تو اماں جان کے لبوں پہ بے اختیار دعا آ ابھری۔

"اللہ بازغہ کو بھی جبین کی طرح ہمارے اور ہمارے بچے کے حق میں بہت اچھا کرے۔" جبین کی پشت سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے انہوں نے داؤد صاحب کی جانب دیکھا۔

"کیوں نہیں بھئی۔ اللہ نے چاہا تو وہ بھی ایسی ہی ہو جائے گی۔ آخر کو اپنی بچی ہے۔" داؤد حسن مسکراتے ہوئے بولے تو مہناز ایک نظر بھائی کے چہرے پہ ڈالتے ہوئے ہنسی۔

"بچی تو اپنی ہے۔ لیکن خاصی طرح دار بچی ہے۔ سارے کس بل نکل جائیں گے بھائی کے۔"

"خدا نہ کرے اور میرے بچے کے کون سے کس بل ہیں۔ اتنا سیدھا تو ہے میرا بیٹا۔" اماں جان نے اسے گھورتے ہوئے جھٹ پاس بیٹھے نجیب کا سر اپنے شانے سے لگایا تو تینوں بہن بھائیوں کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"جی۔ جی۔ بالکل جلیبی کی طرح۔ تب ہی تو میاں سادے نے چپکے چپکے لڑکی بھی پسند کر لی اور کسی کو بتایا تک نہیں۔" بہروز حسن نے ہنستے ہوئے بھائی اور ماں کی طرف دیکھا۔

"چپکے چپکے کیسے بھائی! بچپن سے تو دیکھی ہوئی ہے۔ بس اماں اور بابا کو بتا دیا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔" نجیب اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولے۔ تب ہی جبین کی کمرے میں دوبارہ واپسی ہوئی تو بہروز حسن نے قصداً" اک ٹھنڈی سانس بھری۔

"ہاں بھئی خوش قسمت ہو۔ ہمیں تو صرف مطلع کر دیا گیا تھا کہ تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔ دل بے چارے پہ کیا گزری۔ کسی نے پوچھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔"

"تو اب پوچھ لیتے ہیں۔" جبین مسکراتے ہوئے ساس کے پہلو میں جا بیٹھیں۔

"دیکھ لیں اماں! خود ہی اجازت دے رہی ہیں۔" انہوں نے شرارت سے ایک نظر بیوی پہ ڈالتے ہوئے اماں جان کی طرف دیکھا۔

"ہاں بچے! جیسے اسی بے چاری کی تو اجازت درکار ہے تمہیں۔ پہلی، ماں باپ کے کہنے پہ اور دوسری بیوی کے کہنے پہ، اتنے ہی تو سیدھے ہو تم۔" انہوں نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بیٹے کو کہا تو کمرا ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا جبکہ بہروز حسن جھینپی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگے۔

"حد ہے اماں! آپ میری ماں ہیں کہ ان کی؟"

"جو حق پہ ہو گا اس کی۔ جب میری بہو نے ہماری عزت اور خدمت میں کوئی کمی نہیں کی، تو میں کیوں اس کے ساتھ زیادتی کروں۔" انہوں نے شفیق لہجے میں کہا تو جبین نے مسکراتے ہوئے ان کے شانے پہ سر رکھ دیا۔

"نہیں اماں! تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے کبھی یہ احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ یہ میری سسرال ہے۔" انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا تو مہناز ہنس پڑی۔

"دعا کریں کہ آنے والوں کو بھی یہ محسوس ہو سکے۔"

"جب مجھے غیر ہو کے محسوس ہو سکتا ہے تو وہ تو یہاں بچپن سے آ رہی ہے۔"

"تب ہی تو کہہ رہی ہوں۔ پتا نہیں اس نک چڑھی

حسینہ میں بھائی کو نظر کیا آیا ہے۔" مہناز نے شرارت سے کہتے ہوئے نجیب کی طرف دیکھا۔ جو بہن کی بات پہ مصنوعی خفگی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"ایسے نہیں کہتے نازی! بازغہ اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے ذرا زیادہ لاڈلی ہے اور کوئی بات نہیں، لیکن شادی کے بعد سب ہی لڑکیاں حساس اور ذمے دار ہو جاتی ہیں۔" اماں جان کے رسان سے کہنے پر مہناز کی شوخ نظریں ایک بار پھر نجیب کی جانب اٹھ گئیں۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ نہیں تو نجیب بھائی گئے کام سے۔"

"کوئی بات نہیں یار! پھر دونوں بھائی مل کے دوسری کر لیں گے۔" بہروز حسن اچانک بولے تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

"سب کو اپنی پڑی ہے اور اندھے کو لاٹھی کی پڑی ہے۔" داؤد صاحب نے ہنستے ہوئے ٹکڑا لگایا تو محفل کشت زعفران بن گئی۔

☼ ☼ ☼

"فار گاڈ سیک امی! آپ لوگ داؤد انکل کو جواب دینے سے پہلے ایک بار مجھ سے پوچھ تو لیتے۔" داؤد حسن اور فریدہ بیگم کے جاتے ہی بازغہ منہ سجائے ماں کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کیا پوچھ لیتے بیٹا! وہ کوئی انجان تو نہیں ہیں۔ تمہارے پاپا کے بچپن کے دوست ہیں۔ نجیب بھی ہمارا دیکھا بھالا بچہ ہے۔ ماشاء اللہ لاکھوں کا کاروبار ہے ان کا۔ عزت، شرافت، روپیہ پیسہ کسی چیز کی کوئی کمی نہیں۔ تمہیں اور کیا چاہیے۔" انہوں نے بیٹی کی جانب دیکھا۔

"مجھے نجیب اچھا نہیں لگتا۔ وہ بالکل بھی ہینڈسم نہیں۔" وہ غصے سے بولی تو طلعت کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بے وقوف لڑکی! مردوں کی شکل صورت کب دیکھی جاتی ہے۔ ان کی تو تعلیم، قابلیت، کردار اور خاندان دیکھا جاتا ہے۔"

"پلیز امی! آپ کس دور کی باتیں کر رہی ہیں؟" جھلا کے کہتی وہ ماں کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اسی دور کی باتیں کر رہی ہوں میری جان! ویسے بھی جو مرد عام شکل صورت کے ہوتے ہیں انہیں اگر خوب صورت بیوی مل جائے تو وہ اس کے پیر دھو دھو کے پیتے ہیں۔ پھر وہ تمہیں پسند بھی بہت کرتا ہے اور تم نے وہ بات تو سنی ہو گی، جو پیا من بھائے وہی سہاگن۔ تم دیکھنا، اللہ نے چاہا تو وہ تمہیں پھولوں کی طرح رکھے گا۔" انہوں نے پیار سے بیٹی کا چہرہ چھوا تو متذبذب سی بازغہ خاموش ہو گئی اور طلعت جو اس کی عادت سے واقف تھیں۔ اسے یوں چپ ہوتا دیکھ کے مطمئن ہو گئیں۔ وہ جان گئی تھیں کہ ان کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تین ماہ کا مختصر عرصہ لگا تھا اور بازغہ، نجیب کے سنگ رخصت ہو کے "حسن ولا" چلی آئی تھی۔ جہاں آنے والے وقت میں طلعت بیگم کی کہی بات حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی تھی۔

نجیب اسے پسند نہیں بلکہ دیوانگی کی حد تک چاہنے لگے تھے۔ اس کی زبان سے نکلی ہر فرمائش پوری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس کی ذرا سی تکلیف پہ وہ پہروں پریشان رہتے تھے۔ ان کی اسی درجہ محبتیں بازغہ کو مغرور کیے دیتی تھیں۔ اس کے مزاج کی نازکی، طبیعت کی اتراہٹ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی چلی جا رہی تھی اور فریدہ بیگم جو یہ سوچے ہوئے تھیں کہ وہ آہستہ آہستہ ہی سہی لیکن اپنی ذمے داریاں نبھانا سیکھ لے گی۔ پریشان سی اس کے طور طریقے دیکھتی رہتی تھیں۔

بیٹے کے بیوی کے حد سے زیادہ چاؤ چونچلے بھی انہیں اندر ہی اندر کھولائے دیتے تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہے تھے کہ حد سے بڑھی محبت بھی زندگی کے توازن کو بگاڑ دیتی ہے، خاص کر تب جب ایک فریق صرف دینے پہ اور دوسرا صرف لینے پہ تلا ہو۔

انہوں نے ڈھکے چھپے اور پھر ایک آدھ بار واضح الفاظ میں دونوں کو ہی ان کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی مگر دونوں نے ان کی بات پہ کان دھرنے کے بجائے اپنی من مانی جاری رکھی تھی اور وہ صرف گھر کے ماحول کی خاطر خاموشی اختیار کرنے پہ مجبور ہو گئی تھیں۔ تب ہی اللہ نے ان دونوں کو صاحب اولاد کردیا تھا۔

اجیہ کی پیدائش پہ دل کھول کے خوشی منائی گئی تھی۔ بہروز حسن کے دو بیٹوں کے بعد وہ گھر میں آنے والی پہلی بیٹی تھی۔ اس کی پیدائش پہ داؤد صاحب اور فریدہ بیگم سمیت سب ہی نے دل ہی دل میں سکھ کا سانس لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اب بازغہ اور نجیب' دونوں کے مزاج میں ذمہ داری اور سوچ میں پختگی در آئے گی۔

مگر انہیں اس وقت شدید مایوسی ہوئی تھی' جب بازغہ کی فرمائش پہ نجیب حسن نے بچی کے لیے گورنس کا انتظام کردیا تھا۔ اس دن سوا سال میں پہلی بار داؤد حسن بیٹے اور بہو پہ خوب برسے تھے۔ انہوں نے نہ صرف گورنس کو نکال باہر کیا تھا بلکہ بازغہ کو بھی بحیثیت ایک بہو اور ایک ماں کے' اس کی ذمہ داریوں پر سیر حاصل لیکچر دیا تھا۔

اس عزت افزائی کے بعد فریدہ بیگم اور جبین کو لگا تھا کہ بازغہ کو عقل آجائے گی۔ مگر اس کے تیور تو پہلے سے زیادہ بگڑ گئے تھے۔ نجیب الگ سب سے کھنچ گئے تھے۔ اجیہ پورا پورا دن دادی پھوپھی اور تائی کے پاس رہنے لگی تھی۔ کیونکہ بازغہ نے اسے سنبھالنے سے صاف انکار کردیا تھا۔

بہو اور بیٹے کو اپنی اولاد سے بے نیاز دیکھتے ہوئے' داؤد صاحب نے بہروز حسن کی خواہش پہ ننھی اجیہ کو چھ سالہ زوار سے منسوب کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کے اس اعلان پہ بازغہ نے گھر میں ہنگامہ برپا کردیا تھا۔ مگر اس بار خلاف توقع سب کے ساتھ ساتھ نجیب حسن نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی۔ انہوں نے نہ تو بیوی کی ہاں میں ہاں ملائی تھی اور نہ ہی گھر والوں سے کوئی سوال کیا تھا۔ یعنی اجیہ کے لیے انہیں یہ فیصلہ صحیح لگا تھا۔ تب ہی تو انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ان کی اس خاموشی پہ سوائے ایک جبین کے سب ہی نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ ان کے دل میں بازغہ کے رویے سے ایک گرہ سی پڑھ گئی تھی۔ مگر چونکہ فیصلہ ان کے شوہر اور داؤد صاحب کا تھا' اس لیے وہ خاموشی اختیار کرنے پہ مجبور ہو گئی تھیں۔

وقت چند ماہ آگے بڑھا تھا۔ تب ہی مہناز کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا۔ داؤد صاحب اور بہروز حسن کے ساتھ ساتھ نجیب حسن نے بھی اس معاملے میں اپنی ذمہ داری خوب نبھائی تھی۔ لڑکا سب ہی کو بے حد پسند آیا تھا۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد انہیں مثبت جواب دے دیا گیا تھا۔

گھر میں اچانک منگنی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ فریدہ بیگم نے خاص طور پر بازغہ کو کام میں ہاتھ بٹانے کی ہدایت کی تھی۔ مگر اس کی بد مزاجی تو اس ہنگامے کے بعد سے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ پھر ایک مرتبہ اس کی زبان سے صبح شام اپنے گھر والوں کی شان میں قصیدے سن سن کے بالآخر نجیب حسن نے انہیں ٹوک دیا تھا۔ اس کے بعد تو کمرے میں بازغہ نے وہ قیامت اٹھائی تھی کہ بے چارے نجیب حسن کے طوطے اڑ گئے تھے۔ وہ اپنی صفائی دیتے رہ گئے تھے اور بازغہ بچی پھینک پھانک ماں کے گھر جا بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

"پتا نہیں کہاں جھونک دیا ہے آپ لوگوں نے مجھے۔ اتنا ماں باپ کا غلام شخص میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔" وہ چھکوں پھکوں رونے میں مصروف تھی اور طلعت کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی لاڈلی کو کیسے چپ کروائیں۔

"اچھا چپ تو کرو۔ میں نجیب کو ابھی فون کرکے پوچھتی ہوں۔" انہوں نے اس کا بازو سہلاتے ہوئے کہا تو بازغہ نے غصے سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس شخص کی شکل تک

نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن اجیہ کو تو اپنے ساتھ لے آتیں۔" انہیں چھ ماہ کی نواسی کی فکر لاحق ہوئی تھی۔

"کیوں؟ ذرا باپ بھی تو سنبھالے۔ بڑے کان بھرے گئے ہیں نا کہ میں کچھ نہیں کرتی۔ اب بیٹھ کے پالے بچی۔" آنسو صاف کرتی زہر خند سی بولی تو طلعت نے تشویش سے اس کی جانب دیکھا۔

"اور وہ جو آٹھ دن بعد فنکشن ہے؟"

"بھاڑ میں گیا فنکشن۔ میرا تو اس مہناز کی شکل دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ صورت دیکھی ہے آپ نے اس کی۔" اس نے تنفر سے کہتے ہوئے ماں کی جانب دیکھا۔ "اور اگر وہ لڑکا اور اس کا گھر بار دیکھیں نا تو انگلیاں منہ میں دبالیں۔ بائے گاڈ! اتنا ہینڈسم آدمی اور اتنا خوب صورت گھر' میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔" اس نے اپنے سلگنے کی اصل وجہ بیان کی تو طلعت اک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

"کیا کہہ سکتے ہیں' اپنا اپنا نصیب ہے۔"

"ہاں یہ اچھا ہے۔ اپنی غلطیوں کو نصیب کے کھاتے میں ڈال کے بری الذمہ ہو جاؤ۔" اس نے جل کے منہ پھیر لیا تو طلعت اپنی پیشانی مسلنے لگیں۔

"اچھا اب یہ رونا دھونا بند کرو اور جا کے منہ ہاتھ دھو۔ تھوڑی دیر میں نزہت آنے والی ہے۔" انہوں نے اپنی بہن کا حوالہ دیا تو بازغہ کے ابرو تن گئے۔

"نہیں نہیں ان سے ملوں گی۔ ہر بات کی ٹوہ لینے لگ جاتی ہیں۔"

"تو پھر اپنے کمرے میں جاؤ۔" طلعت خفگی سے بولیں۔

"نہیں! میں فریش ہو کے شاپنگ پہ جاؤں گی۔ دم گھٹ رہا ہے میرا۔" وہ اچانک سیدھی ہوتے ہوئے بولی تو طلعت تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"لیکن گاڑی نہیں ہے گھر پہ۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔" وہ بے نیازی سے کہتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تو طلعت بے اختیار سر پکڑ کے رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

شام ڈھلے شاپنگ بیگز سے لدی پھندی بازغہ سڑک کے کنارے کھڑی متلاشی نظروں سے خالی ٹیکسی ڈھونڈ رہی تھی۔ جب پاس سے گزرتی ایک گاڑی نے تھوڑی دور جا کے بریک لگائے۔ اگلے ہی لمحے گاڑی ریورس ہو کے بازغہ کے سامنے آٹھہری تو اپنے دھیان میں کھڑی بازغہ نے چونک کر ایک نظر گاڑی پہ اور دوسری ڈرائیونگ سیٹ پہ ڈالی تھی اور ایک پل کے لیے حیرت زدہ سی رہ گئی تھی۔

"السلام علیکم! آئیں میں آپ کو ڈراپ کردوں۔" ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے شخص نے سر ترچھا کرتے ہوئے مسکرا کر بازغہ کی جانب دیکھا تو وہ چہرے پہ اڑتی لٹیں کانوں کے پیچھے اڑستی گاڑی کے قریب چلی آئی۔

"بہت شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پلیز بازغہ! تکلف مت کریں۔۔۔ آئیے بیٹھیں۔" اس نے آگے جھکتے ہوئے اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ دل ہی دل میں اس کے طرز تخاطب پہ حیران ہوتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"کمال ہے۔ آپ نے مجھے ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔" رسمی حال احوال کے بعد اس نے خوشگوار لہجے میں کہا تو اس کے برابر بیٹھے شخص کے لبوں پہ معنی خیز مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"آپ کوئی بھولنے والی چیز ہیں بھلا۔" اک گہری نظر اس پہ ڈالتا وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو بازغہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کو تحیر در آیا۔ لیکن اگلے ہی پل اس کے چہرے اور آنکھوں میں ازلی غرور آٹھہرا تھا۔

"تھینکس فار دی کامپلیمنٹ۔" وہ اعتماد سے مسکرائی تو مقابل کی مسکراہٹ بھی گہری ہو گئی۔

"مائی پلیژر۔ ویسے آپ اس وقت اکیلی کیوں نکلی تھیں؟ آپ کے شوہر نامدار کہاں ہیں؟"

"شوہر نامدار کو اپنے کاموں سے فرصت ملے تو وہ بیوی پہ توجہ دیں نا۔" وہ بنا کسی لگی لپٹی کے تلخی سے

گویا ہوئی تو وہ سرہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں ہوتے ہیں کچھ ناقدرے لوگ۔ جنہیں خدا فیاضی سے نواز دیتا ہے۔ مگر وہ پھر بھی اس کے عطا کردہ بیش بہا خزانے کی قدر نہیں کرتے۔" اور بازغہ کا دل اس درجہ واضح تعریف پہ بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔

"آپ یہاں سے رائٹ لے لیں۔ میں اپنی امی کے گھر ٹھہری ہوئی ہوں۔" کچھ دور جا کے بازغہ نے اسے گائیڈ کیا تو اس نے گاڑی مطلوبہ سمت میں موڑ لی۔

"یہاں پہ ایک بہت اچھی کافی شاپ ہے۔ کیا خیال ہے ایک کپ کافی کا ہو جائے۔" اس نے نرمی سے کہا تو وہ کشمکش و پنج میں پڑ گئی۔

"میرے خیال میں رہنے دیں۔ ابھی دیر ہو جائے گی۔"

"اتنا ٹائم نہیں لگے گا۔ ویسے بھی پھر کبھی یہ موقع آئے یا نہ آئے کون جانتا ہے۔" اس نے اپنے ساتھ بیٹھی بازغہ کی جانب دیکھا۔ دونوں کی نظریں پل بھر کو ٹکرائی تھیں اور بازغہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

لیکن آنے والے پانچ چھ دنوں میں "یہ موقع" تین چار بار آیا تھا اور وہ بھی کچھ اس طرح سے کہ طلعت بیگم کو بھی اس بات کا علم نہ ہو سکا تھا کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ جا رہی ہے اور ساتویں دن جب وہ نجیب حسن کی بے شمار منتوں اور پھیروں کے بعد ان کے ساتھ "حسن ولا" واپس پہنچی تھی، اس کا دل ایک نئی لے پہ دھڑک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

مہناز کی منگنی بڑی دھوم دھام اور خوش اسلوبی سے اپنے انجام کو پہنچی تھی۔ بازغہ نے بھی خلاف توقع بڑے اچھے موڈ سے فنکشن میں شرکت کی تھی۔ اس کا رویہ سب کے ساتھ خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ جس پہ سب گھر والے پہلے حیران اور پھر خاموش ہو گئے تھے۔ مزاج دار بہو کے ان بدلتے تیوروں پہ وہ بے چارے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

منگنی اور شادی کے دوران چونکہ صرف دو ماہ کا وقت تھا اس لیے گھر میں بنا کسی توقف کے شادی کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ حیران کن طور پہ بازغہ نے بہت سی ذمہ داریاں از خود اپنے سر لے کے سب کو چونکا دیا تھا۔ اسے چونکہ ڈرائیونگ آتی تھی۔ اس لیے اس نے زیادہ تر شاپنگ وغیرہ اور باہر کے چکر اپنے ذمے لیے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ ان کاموں کی آڑ میں وہ کچھ اور ہی مقصد پورا کر رہی تھی۔

دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ جب ایک شام جبین کی چچی کی اچانک فوتگی کی خبر پہ سب گھر والوں کو بہروز حسن کے چچا سسر کے یہاں بھاگنا پڑا تھا۔ مہناز کی چونکہ طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور گھر پہ بھی لاکھوں کا سامان پڑا تھا اس لیے بازغہ اور مہناز دونوں ہی گھر پہ رک گئی تھیں۔

چائے کے بعد مہناز دوا لے کے اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی تو بازغہ لاؤنج میں آ بیٹھی۔ وہ آج پروگرام کے مطابق ملنے کے لیے نہیں جا سکی تھی۔ اس لیے کچھ سوچتے ہوئے اس نے فون اٹھا کر نمبر ملایا تھا۔ مگر دوسری طرف سے عورت کی آواز سن کے اس نے بنا کچھ کہے لائن کاٹ دی تھی۔

تیسری مرتبہ ٹرائی کرنے پہ اسے مطلوبہ آواز سنائی دی تو اس نے بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

"آج کیوں نہیں آئیں تم؟ پتا ہے میں نے پورے دو گھنٹے تمہارا انتظار کیا تھا۔" دوسری طرف وہ اس کی آواز سنتے ہی دبی آواز میں خفگی سے بولا تو بازغہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

"کیا بتاؤں۔ یہاں نیا ڈراما جو شروع ہو گیا تھا۔" اس کے بعد اس نے ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر ڈالی تو وہ دھیرے سے ہنسا۔

"اس کا مطلب ہے تم گھر پہ اکیلی ہو۔"

"اکیلی کہاں۔ مہناز اوپر سو رہی ہے۔" وہ اس کا مطلب سمجھے بنا بے زاری سے بولی۔

"اپنے کمرے میں ہے نا۔ ہم تو تمہارے کمرے میں ہوں گے۔" وہ مزے سے بولا تو پھر وہ چونک گئی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟"

"ہاں ہو گیا ہے۔ تم چوکیدار کو ادھر ادھر کرو۔ میں دس منٹ میں پہنچتا ہوں۔" وہ دھیمے لیکن قطعی لہجے میں بولا تو بازغہ کا رنگ اڑ گیا۔

"خدا کا واسطہ ہے یہ غضب مت..." اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔ بے اختیار اس نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ کچھ سوچتی ہوئی گیٹ کی جانب بھاگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا! بچیاں گھر میں اکیلی ہیں۔ تم ایک چکر وہاں کا لگاتے ہوئے ادھر آنا۔" فریدہ بیگم نے آفس میں فون کر کے نجیب حسن کو تاکید کی تھی۔ اسی لیے وہ آفس سے بہروز حسن کے چچا سسر کی طرف جانے کے بجائے پہلے گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے بچپن کے دوست بھی تھے۔ جنہیں انہوں نے راستے میں ڈراپ کرنا تھا۔ تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتے وہ گھر پہنچے تھے۔

غفار کو گاڑی میں ہی انتظار کرنے کا کہہ کے وہ خود تیز قدموں سے گیٹ کی جانب آئے تھے۔ گیٹ پہ چونکہ چوکیدار ہوتا تھا، اسی لیے گیٹ میں موجود آنے جانے والا چھوٹا دروازہ اندر سے لاک نہیں ہوتا تھا۔ اسی اعتماد سے انہوں نے اپنے دھیان میں دروازے کو کھولنے کی غرض سے اندر کو دھکیلا تھا۔ لیکن دروازہ اندر سے بند پا کے وہ بے اختیار حیران ہوئے تھے۔

ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی سے دروازہ بجاتے ہوئے انہوں نے چوکیدار کا نام پکارا تھا۔ ان کے یوں چوکیدار کو پکارنے پہ غفار بھی گاڑی کا دروازہ کھول کے باہر نکل آئے تھے۔ مگر جب دو تین بار دروازہ بجانے اور چوکیدار کو پکارنے پہ بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ تب دونوں ٹھٹک گئے تھے۔ پریشانی سے نجیب نے تیزی سے بیل بجانی چاہی۔ لیکن غفار نے انہیں سرعت سے روک دیا۔

"بیل مت بجانا نجیب! مجھے کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے۔ خدانخواستہ کہیں کوئی ڈاکا..." انہوں نے قصداً بات ادھوری چھوڑتے ہوئے ان کی جانب دیکھا۔

"یا اللہ خیر!" نجیب حسن کا رنگ لحظے بھر میں اڑ گیا تھا۔ "اب... اب کیا کریں؟" انہوں نے پریشانی سے غفار کی جانب دیکھا۔

"میرے خیال میں پچھلی طرف سے دیوار کود کے اندر جاتے ہیں تاکہ اگر خدانخواستہ اندر کوئی موجود ہو تو ہم کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہو سکیں۔" ان کے مشورے پہ نجیب حسن نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فوری طور پر قدم آگے بڑھائے تھے۔

گھر کی پچھلی طرف پہنچ کے دونوں نے نہایت خاموشی اور ہوشیاری سے دیوار پھاندی تھی اور پھر اسی خاموشی سے چلتے ہوئے کچن کے عقبی دروازے سے گھر کے رہائشی حصے میں داخل ہو گئے تھے۔

دبے قدموں سے انہوں نے ایک کے بعد ایک نیچے کے سارے کمرے کھنگال لیے پھر اوپر کی جانب چلے آئے۔ شام کے اس پہر پورا گھر سناٹے میں ڈوبا دیکھ کر نجیب حسن کی پریشانی دوچند ہو گئی تھی۔

پہلے دو کمروں کا جائزہ لینے کے بعد نجیب اپنے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔ بنا کوئی آواز پیدا کیے انہوں نے دروازہ کھولنا چاہا تھا۔ لیکن اندر سے دروازہ بند پا کے انہوں نے تیزی سے پلٹ کر غفار کی جانب دیکھا تھا۔ تب ہی انہیں اندر سے کسی مرد کی دبی دبی سی آواز کے بعد بازغہ کی دھیمی سی ہنسی سنائی دی تھی اور ان کا پورا جسم جیسے کان بن گیا تھا۔

سرعت سے دروازے سے کان لگاتے ہوئے انہوں نے کچھ محسوس کرنا چاہا تھا۔ لیکن چند لمحوں کی ناکام کوشش کے بعد وہ گھبرا کے پیچھے ہٹے تھے۔ کچھ غلط ہونے کا احساس ان کے اندر بڑی شدت سے جاگا تھا۔

بے اختیار وہ دبے لیکن تیز قدموں سے لابی کے آخری سرے پہ موجود مہناز کے کمرے کی جانب

بڑھے تھے اور اسے اپنے بیڈ پہ اجیہ کے برابر گہری نیند سوتا دیکھ کے ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ مارے وحشت کے وہ اس کے کمرے کا دروازہ بند کیے بنا' تیزی سے سیڑھیوں کی جانب لپکے تھے۔ حیران پریشان سے غفار بھی نا سمجھی کے عالم میں ان کے پیچھے نیچے اترے تھے۔

"کیا بات ہے نجیب! خیر تو ہے نا؟" انہیں لاؤنج میں موجود دیوار گیر الماری کی دراز' دیوانہ وار کھنگالتے دیکھ کر وہ تیزی سے ان کی جانب آئے تھے۔ مگر نجیب حسن انہیں کوئی جواب دیے بنا دراز میں سے چابیوں کا گچھا اٹھا کے واپس اوپر بھاگے تھے۔

ان کے ہاتھ میں چابیاں دیکھ کر غفار ملک کو بھی عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس لیے مزید کچھ پوچھے بنا وہ بھی ان کے پیچھے لپکے۔

سیڑھیاں چڑھ کے نجیب حسن نے ایک بار پھر احتیاط سے اپنے کمرے کی طرف پیش رفت کی تھی۔ دروازے کے لاک میں چابی ڈالنے سے پہلے ان کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا تھا۔ مگر انہوں نے لب بھینچے یہ پل صراط پار کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ صوفے پہ بیٹھی بازغہ کے چہرے پہ جھکا ہوا تھا۔ جب لاک میں کھٹ کی ہلکی سی آواز نے دونوں کے مدہوش اعصاب کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتے اور سمجھ کے سنبھلتے' دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا تھا۔ اور دونوں کے جسم کا رواں رواں نجیب حسن کو سامنے پا کے کھڑا ہو گیا تھا۔

جب کہ نجیب اپنی بیوی کو کسی دوسرے مرد کی آغوش میں دیکھ کے کسی بت کی طرح ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔ ان کے پیچھے کھڑے غفار کی بھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت ہو گئی تھی۔

سرعت سے خود پہ قابو پاتے ہوئے ان دونوں نے ایک دوسرے کو چھوڑتے ہوئے کھڑا ہونا چاہا تھا۔ لیکن تب تک نجیب حسن کے ہاتھ اس کے گریبان تک پہنچ چکے تھے۔

دیوانوں کی طرح اسے لاتوں اور گھونسوں سے مارتے ہوئے مغلظات کا ایک طوفان تھا' جو نجیب کے لبوں سے برآمد ہوا تھا اور جس وقت انہوں نے آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھا اپنا پسٹل نکالا تھا' کونے میں کھڑی تھر تھر کانپتی بازغہ کی دہشت ناک چیخوں نے "حسن ولا" کے در و دیوار کو ہلا ڈالا تھا۔

☼ ☼ ☼

عجیب سا شور تھا جس نے مہناز کی آنکھ کھول ڈالی تھی۔ چند لمحے نا سمجھی کے عالم میں اس نے ان آواز کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جونہی اسے چیخوں اور چیزیں گرنے کا احساس ہوا تھا۔ وہ تیزی سے کمبل ہٹائی' کھلے دروازے سے باہر بھاگی تھی۔ مگر بھائی کے کمرے کے منظر نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا تھا۔

"چھوڑو مجھے غفار! میں ان کمینوں کو چھوڑوں گا نہیں۔" غفار نے آپے سے باہر ہوتے نجیب حسن کو جکڑ رکھا تھا جبکہ وہ ہاتھ میں پستول لیے خود کو چھڑانے کی کوشش میں بے حال ہوئے جا رہے تھے۔

بے اختیار وہ وحشت زدہ سی آگے بڑھی تھی۔ اس کی نظر کمرے کے انتہائی سرے پہ دیوار کے ساتھ روتی شور مچاتی بازغہ پہ پڑی تھی۔ تب ہی اس کھینچا تانی میں نجیب نے کسی کو زوردار ٹھوکر ماری تھی اور وہ کراہتا ہوا دروازے کی جانب گرا تھا۔

مہناز کی متوحش آنکھیں اس شخص کی جانب اٹھی تھیں اور پھر گویا جھپکنا بھول گئی تھیں۔ وہ کوئی اور نہیں' بلکہ اس کا منگیتر تھا۔ وہ شخص جو اسے محض ڈیڑھ مہینے بعد بیاہنے آنے والا تھا۔ اس کا متوقع شوہر اور اس گھر کا ہونے والا داماد اس کے بھائی کی ٹھوکروں میں کیوں تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

ادھر غفار' نجیب حسن سے پسٹل چھیننے میں کامیاب ہوئے تھے مگر انہوں نے بازغہ کو نجیب کے ہاتھوں سے بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ جنہوں نے پے در پے اس کے منہ پہ تھپڑ مارنے کے

بعد اسے بالوں سے پکڑ کے اپنے روبرو کیا تھا۔

"میں نجیب حسن' بقائمی ہوش و حواس' بازغہ حسین تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں!"

باہر کھڑی مہناز پہ حقیقت پہاڑ بن کے ٹوٹی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں اپنا چکراتا سر تھامے وہ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

غفار کے فوری فون پہ سب گھر والے دوڑے چلے آئے تھے۔ اس دوران اس نے نجیب حسن کو زبردستی ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ جبکہ مہناز کا منگیتر انہیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ بازغہ بھی اس سب کے بعد زیادہ دیر وہاں نہیں رکی تھی۔

"حسن ولا" کے پریشان حال مکین' بری سے بری خبر کا سوچتے ہوئے محض آدھے گھنٹے میں گھر پہنچے تھے۔ مگر آگے جو کرب ناک اور بھیانک صورت حال ان کی منتظر تھی۔ اس کے بارے میں تو انہوں نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔ دھچکا اتنا شدید اور اچانک تھا کہ فریدہ بیگم تو وہیں چکرا کے گر پڑی تھیں جبکہ داؤد صاحب کی تو جیسے قوت گویائی ہی سلب ہو کے رہ گئی تھی۔ بہروز اور شہباز حسن۔ سرخ انگارے چہروں کے ساتھ باہر کی جانب لپکے تھے۔ لیکن آگے بپھرے ہوئے حسین صاحب' منیر حسین اور مہناز کے سسرال والوں کو دیکھ کے وہیں رک گئے تھے۔ اس کے بعد وہاں وہ قیامت برپا ہوئی تھی کہ رشتے ناطے' عزت اور لحاظ ہر چیز اس طوفان میں بہہ گئی تھی۔

بازغہ نے خود پہ لگے الزام سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ سب نجیب حسن اور اس کے دوست کی گندی چال تھی۔ کیونکہ نجیب کا خود کسی لڑکی سے معاشقہ چل رہا تھا۔ جس کی بابت بازغہ کو مہناز کے منگیتر نے خبر دی تھی اور نجیب اس حقیقت کے کھلنے پہ اس بے چارے کے دشمن بن گئے تھے۔ انہوں نے بازغہ کو بھی دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اپنے گھر والوں یا کسی اور سے اس بارے میں بات کی تو وہ اسے طلاق دے دیں گے۔ اس دوران مہناز کے منگیتر نے نجیب کو دو' تین بار مزید اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تو خود کو انہیں سمجھانے سے روک نہ سکا۔ اس کی دخل اندازی نے نجیب کو آگ بگولا کر دیا تھا۔ بازغہ کے بقول اس شام بھی نجیب نے ہی آفس سے فون کر کے اسے گھر پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ اور جب وہ گھر آ گیا تو وہ اپنے دوست کو لے کر ان کے سر پہ پہنچ گئے اور ان پہ انتہائی رکیک الزام لگا کے مار پیٹ شروع کر دی اور بازغہ کو کھڑے کھڑے طلاق دے دی۔

بازغہ کے اس بیان نے نہ صرف اس کے باپ بھائی بلکہ مہناز کے سسرال والوں کی توپوں کا رخ بھی نجیب حسن کی جانب کر دیا تھا۔ بازغہ کی اس درجہ بے شرمی اور مکاری پہ نجیب اس کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ ہر طرف عجیب و غریب چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ جنہوں نے داؤد صاحب کے گھرانے کو کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا تھا۔

نجیب حسن نے خود کو گھر میں قید کر لیا تھا۔ ان کی نہ صرف غیرت پہ بلکہ محبت پہ بھی تازیانہ پڑا تھا۔ لوگوں سے سامنے کی ان میں ہمت نہ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر والوں سے بھی نگاہیں ملانے کے قابل نہ رہے تھے۔ ان کی حالت اور بربادی پہ ماں' بہنوں کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ بس ایک اجیہ کا وجود تھا جو ان کے لیے اس تکلیف میں سکون کا باعث تھا۔ وہ اس مختصر عرصے میں بہت تیزی سے اپنی بیٹی کے قریب آئے تھے۔ لیکن خدا کو شاید ان کی مزید آزمائش مقصود تھی۔

بازغہ نے ان سے بدلہ لینے کے لیے اجیہ کے حصول کا مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ نجیب حسن اس وار پہ تڑپ اٹھے تھے۔ ایک بدکردار عورت کو اپنی بیٹی سونپنے کا خیال ہی ان کے لیے سوہان روح تھا۔ انہوں نے شہر کے بہترین وکیل سے رابطہ کیا تھا اور پانی کی طرح اس کیس پہ پیسہ بہایا تھا لیکن چونکہ اجیہ محض آٹھ ماہ کی تھی اور ان کے پاس بازغہ کی بدکرداری کا کوئی مضبوط

ثبوت بھی نہیں تھا۔ اسی لیے فیصلہ بازغہ کے حق میں ہوا تھا۔ وہ اس لڑائی میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ دکھوں اور آزمائشوں نے جیسے ان کا گھر دیکھ لیا تھا۔

بیٹے اور پوتی کے غم میں فریدہ بیگم بستر سے جا لگیں۔ اس پہ مستزاد مہناز کی فکر نے انہیں دنوں میں ختم کردیا تھا۔ جس روز انہوں نے آنکھیں بند کی تھیں، اس روز نجیب حسن کو پہلا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

وہ وقت کتنا کڑا اور اذیت ناک تھا، یہ کوئی داؤد حسن سے پوچھتا۔ جن کی ایک طرف زندگی کی غم گسار ساتھی، ساتھ چھوڑ گئی تھیں اور دوسری طرف جوان بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ان کے بکھرتے حوصلوں کو مزید بکھیرنے پہ تلا تھا۔ بیٹی کا گھر بسنے سے پہلے اجڑ گیا، وہ غم الگ تھا۔

اجیہ کی جدائی، اپنی بیماری اور ماں کے غم سے سنبھلنے میں نجیب حسن کو دو تین ماہ لگ گئے تھے۔ اس دوران ان سب کو بازغہ کے ایک ماہ پہلے ہونے والے نکاح کی خبر ملی تو سب چونک گئے۔ کیونکہ ایسی صورت حال میں اجیہ کے نجیب حسن کی کفالت میں آنے جانے کی امید تھی۔

امید کی اس نئی کرن نے سب کے ہی اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی وہ سب ایک بار پھر وکیل کی جانب دوڑے تھے۔ اور تب بازغہ کا آخری وار ان سب پہ منکشف ہوا تھا۔ وہ اجیہ کو اپنے ساتھ جرمنی لے گئی تھی۔ اسے اجیہ سے کتنا لگاؤ تھا اور وہ اسے کیوں لے گئی تھی، سب اچھی طرح جانتے تھے۔ مگر بازغہ کی ذلالت کے آگے بے بس ہو گئے تھے۔

اس گری ہوئی عورت کا یہ وار نجیب حسن کے لیے کاری اور آخری ضرب ثابت ہوا تھا۔ انہیں ایک بار پھر شدید قسم کا اٹیک ہوا تھا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے تھے اور ان سب کو بھری جوانی میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

داؤد صاحب کی سسکی انہیں ماضی سے واپس حال میں کھینچ لائی تھی۔ کیسا کرب ناک عذاب سہا تھا انہوں نے۔ جب ان کے ناتواں بوڑھے وجود نے جوان بیٹے کے جنازے کو کندھا دیا تھا۔ اپنی وہ درد بھری کیفیت اور اپنے لاڈلے کی وہ اذیت بھری موت انہیں آج پچیس سال بعد بھی بخوبی یاد تھی۔ مگر بازغہ نے اپنا انتقام یہیں پر ختم نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی پاکستان آمد پر داؤد صاحب کی اجیہ سے ملنے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔ اور اس نے ایسا ایک بار نہیں، بلکہ بار بار کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تھک کر خود ہی ہمت ہار بیٹھے تھے۔

اس دوران اس نے اجیہ کے دل میں اس کے باپ اور ددھیال والوں کے خلاف اتنا زہر بھرا تھا کہ وہ ان میں سے کسی کا نام تک نہیں سننا چاہتی تھی۔ اس بات کا انکشاف داؤد صاحب پہ آج سے بس ڈیڑھ ماہ پہلے ہوا تھا۔ جب ایک دن اچانک انہیں عدالت کی طرف سے ایک نوٹس ملا تھا جس میں ان کی پچھلے پچیس سال سے گم گشتہ پوتی نے ان سب کو غاصب قرار دیتے ہوئے اپنے باپ کی وہ جائیداد طلب کی تھی جو بقول اس کے ان کی ذاتی کمائی سے بنائی گئی تھی۔

اس نوٹس نے ''حسن ولا'' کے سب مکینوں کو حیران کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بڑا دھچکا پہنچایا تھا۔ لیکن داؤد صاحب پہ تو شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ اجیہ کا مطالبہ اور اس مطالبے سے چھلکتی بیگانگی سب کچھ بھول بھال اسی بات پہ نہال ہو گئے تھے کہ ان کی اجیہ ان کے پاس اسی شہر میں موجود تھی۔

وہ اسے دیکھنے، اس سے ملنے کے لیے تڑپ اٹھے تھے۔ انہوں نے بہروز حسن سے اس کا ایڈریس پتا کروانے کے لیے کہا۔ کیونکہ بازغہ کے والدین کو گزرے ہوئے تو کافی عرصہ بیت گیا تھا۔ منیر چونکہ آرمی میں تھے۔ اس لیے انہیں اندازہ نہ تھا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی تھی۔

ان کے بے حد اصرار پہ بالآخر بہروز حسن مجبور ہو گئے تھے۔ ان کے پتا کروانے پہ انہیں نہ صرف اجیہ کی تنہا پاکستان آمد کے بارے میں پتا چلا تھا بلکہ یہ بھی

پتا چلا تھا کہ منیر حسین آج کل اسی شہر میں پوسٹڈ تھے اور اجیہ انہی کے گھر ٹھہری ہوئی تھی۔

یہ تمام تفصیل انہوں نے داؤد صاحب کے گوش گزار کردی تھی۔ جو اجیہ کی تنہا پاکستان آمد کا سن کے پھولے نہیں سمائے تھے۔ ان کے خیال میں اجیہ سے ملاقات کا یہ بہترین موقع تھا جبکہ باقی گھر والے اس بات پہ مصر تھے کہ ان کا اجیہ سے جا کر ملنا کسی طور پر مناسب نہ تھا۔ وہ لڑکی ان سب سے انجان اور مکمل طور پہ بدگمان نظر آرہی تھی مگر داؤد صاحب کی بات میں اپنی جگہ وزن تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کا اجیہ سے ملنا شاید اس کے اندر کوئی تبدیلی نہ لا سکے، لیکن ان کی آج کی بے نیازی شاید ہمیشہ کے لیے اس کی بدگمانی پہ یقین کی مہر لگا دے اور وہ چونکہ بازغہ کے کہے کو سچائی میں بدلنا نہیں چاہتے تھے اسی لیے وہ اگلے دن بہروز حسن اور شہباز حسن کو لے کر اپنی پوتی سے ملنے منیر حسین کے گھر چلے آئے تھے۔

☼ ☼ ☼

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' گیٹ پہ آنے والے ملازم نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''ہمیں اجیہ بی بی سے ملنا ہے۔ ان سے کہنا کہ ''حسن ولا'' سے ان کے دادا ملنے آئے ہیں۔'' داؤد حسن نے رسان سے اسے جواب دیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

''معاف کیجیے گا، لیکن کرنل صاحب کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ سے نہیں ملنا چاہتیں۔'' پانچ، چھ منٹ کے انتظار کے بعد وہ کورا جواب لیے باہر آیا تو بہروز حسن کے چہرے پہ تناؤ در آیا۔

''اپنے کرنل صاحب سے کہیں کہ وہ اس بات کا فیصلہ اجیہ کو ہی کرنے دیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔'' بہروز حسن کے کاٹ دار لہجے پہ ملازم خاموشی سے واپس پلٹ گیا تھا۔

مگر اب کی بار اس کی واپسی جلدی ہوئی تھی اور اس نے ان کے لیے آتے کے ساتھ ہی دروازہ کھول دیا تھا۔

''آیئے۔'' داؤد صاحب کا دل یک لخت مسرور ہو گیا تھا۔ ان کے دونوں بیٹے کیا سوچ رہے تھے، انہیں اندازہ نہیں تھا۔ لیکن انہیں اپنے یہاں آنے کا فیصلہ یکایک بالکل درست لگا تھا۔

ملازم انہیں لیے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ جہاں تنہا صوفے پہ نجیب کی شباہت اور بازغہ کا رنگ روپ چرائے بیٹھی ایک لڑکی ان تینوں کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لے گئی تھی۔

بے اختیار داؤد حسن آنکھوں میں نمی اور دل میں بے قراری لیے اس کی جانب بڑھے تھے مگر اس نے اپنی جگہ سے اٹھے بنا ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

''وہیں رک جائیں۔'' داؤد صاحب کے قدم اپنی جگہ پہ ساکت ہو گئے تھے۔

''آپ سے نہ ملنے کا فیصلہ میرا اپنا تھا اور میں نے آپ کی یہی غلط فہمی دور کرنے کے لیے آپ کو اندر بلایا ہے۔ مجھ سے آئندہ اپنا تعلق جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے... اب آپ جا سکتے ہیں۔''

آنکھوں میں نفرت اور چہرے پہ بیگانگی لیے وہ انتہائی گستاخانہ لہجے میں بولتی بہروز اور شہباز دونوں کو سرتاپا سلگا گئی۔ لیکن داؤد حسن نجانے محبت کی کس انتہا پہ تھے کہ انہوں نے اس کی اس درجہ بدتمیزی کو بالکل نظر انداز کردیا تھا۔ یوں جیسے اس نے کچھ کہا ہی نہ ہو۔

''اپنی ذات سے جڑا میرا حوالہ تو تم خود بھی نہیں توڑ سکتیں بیٹا!'' وہ بھرائے ہوئے نرم لہجے میں گویا ہوئے۔

''کیا کہا بیٹا؟'' استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے تمسخرانہ نظروں سے داؤد صاحب کی جانب دیکھا تو انہوں نے مارے اذیت کے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا جبکہ شہباز حسن کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئی تھیں۔

''کمال ہے۔ آج تک تو اس ''بیٹا'' کی کبھی یاد نہیں آئی اور اب کورٹ کا نوٹس ملتے ہی نہ صرف ٹھکرائی

ہوئی پوتی یاد آگئی بلکہ وہ "بیٹا" بھی بن گئی۔ یہ دولت بھی کتنی بری چیز ہے نا۔ انسان کو کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پہ مجبور کردیتی ہے۔" طنزیہ لہجے میں کہتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہارا خیال ہے کہ ہم یہاں دولت اور جائیداد بچانے کے لیے آئے ہیں؟" اس کی بدگمانی پہ داؤد صاحب کے دل میں اک ٹیس سی اٹھی تھی۔

"پلیز! اب یہ مت کہیے گا کہ آپ لوگ یہاں میری محبت میں آئے ہیں۔" ان کی جانب دیکھتی وہ تلخی سے بولی تو داؤد حسن تڑپ اٹھے۔

"یہی سچ ہے بیٹا! ہم یہاں صرف تم سے۔۔۔"

"بس کریں۔ پلیز فار گاڈ سیک!" وہ یک لخت حلق کے بل چلا اٹھی تھی۔ "آپ لوگوں نے کیا مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے۔ جو مجھے بے وقوف بنانے کھڑے ہوگئے ہیں؟ یا آپ سب میں واقعی شرم نام کی کوئی چیز نہیں؟ میری ممی بالکل ٹھیک کہتی ہیں آپ لوگ نہایت گھٹیا، لالچی اور مطلب پرست ہیں لیکن آپ یوں میرے منہ پہ آکے جھوٹ بولیں گے اس۔۔۔"

"زبان کو لگام دو اپنی!" شہباز حسن سرخ چہرہ لیے یک لخت چند قدم آگے آتے ہوئے بولے تو اجیہ ایک لمحے کو خاموش ہوگئی۔ لیکن صرف ایک لمحے کو۔ اگلے ہی پل اس کے لبوں پہ بڑی طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"بس اتنی ہی دیر محبت کا ڈھونگ رچانے کی ہمت تھی؟" اس نے شہباز صاحب کے سرخ چہرے کی جانب دیکھا تو وہ ایک کھا جانے والی نظر اس پہ ڈالتے ہوئے باپ کی طرف پلٹے۔

"بہت ہوگیا بابا جان! میں مزید یہاں آپ کو ایک منٹ نہیں رکنے دوں گا۔"

"شکر ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے ملازموں کو بلانے کی زحمت سے بچالیا۔ بٹ اینی وے چال اچھی تھی۔۔۔ وہ اور بات ہے کہ کامیاب نہیں ہوئی۔ لہٰذا اب ملاقات کورٹ میں ہوگی۔" ان تینوں پہ ایک تنفر بھری نظر ڈالتی وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی تو داؤد حسن نے اپنے لرزتے سرد ہاتھ سے قریب کھڑے شہباز صاحب کا بازو تھام لیا۔

"بابا جان! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" ان کے دل کی اس وقت کیا کیفیت تھی یہ ان دونوں سے بہتر بھلا اور کون جان سکتا تھا، جن کے اپنے دل اس وقت خون کے آنسو رو رہے تھے۔

"میں ہار گیا بیٹا! اور میرا نجیب بھی ہار گیا۔ وہ عورت، اس کی مکاری اور اس کا جھوٹ جیت گیا۔" ان کی غم زدہ آنکھوں کے آنسو ان کے بوڑھے تھکے ہوئے چہرے پہ بہہ نکلے تھے۔

"چلو۔ اب یہاں سے چلتے ہیں۔" وہ لرزتے قدموں سے باہر کی جانب بڑھے تھے لیکن دروازے میں منیر حسین کو تمسخرانہ نظروں سے اپنی جانب تکتا پا کے وہ ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ انہیں رکتا دیکھ کے بہروز اور شہباز حسن کی نظریں بھی سامنے کی جانب اٹھیں اور ان کے چہرے تن گئے۔

"بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔" طنزیہ لہجے میں کہتے وہ آگے بڑھ گئے تھے۔ لیکن ان تینوں کا تن من اس تذلیل پہ جل اٹھا تھا۔ گھر آکے داؤد حسن تو نڈھال سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔ لیکن شہباز حسن کے لیے خاموش رہنا ناممکن ہوگیا تھا۔ سب کے پوچھنے پہ وہ بے اختیار پھٹ پڑے تھے۔ اجیہ کے ناروا سلوک نے سب ہی کی آنکھیں نم اور دل غصے سے بھر دیے تھے۔ لیکن شاہی کے لیے یہ سب خاموشی سے برداشت کرنا اور صبر سے کام لینا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ کسی طور اس بدتمیز لڑکی کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا جس نے اس کے بزرگوں خاص کر ان کے عزیز از جان دادا کی اس درجہ بے عزتی کی تھی۔

وہ تو اسی وقت منیر حسین کے گھر جاکے اس لڑکی کا دماغ ٹھکانے لگانے پہ تل گیا تھا لیکن بہروز حسن کی سختی سے کی گئی تنبیہہ نے اسے روک دیا تھا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے بنا سوچے سمجھے اپنے بڑے بھائی زوار کو فون کیا تھا۔ جو کورس کے سلسلے میں پچھلے ایک ماہ

سے لاہور گیا ہوا تھا۔ اس لیے وہ گزشتہ دنوں کی ہر بات سے بے خبر تھا۔ شاہی کے منہ سے ساری باتیں سن کے وہ بے اختیار اس پہ برس پڑا تھا۔ گھر میں اتنا کچھ ہوگیا تھا اور کسی نے اس سے ذکر تک کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ شاہی کے صفائی دینے پہ اس نے غصے سے فون پٹخ دیا تھا۔

لیکن اگلے روز اس نے اپنی واپسی کے متعلق بھائی کو بتاتے ہوئے مکمل خاموشی کی تلقین کی تھی۔ وہ ایئرپورٹ سے سیدھا اپنے "واہ" والے گھر گیا تھا۔ اس کی اسی حرکت نے شاہی کو الجھا دیا تھا۔ اس کے اصرار پہ زوار نے اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کردیا تھا۔

شاہی اس کے اس درجہ انتہائی رد عمل کا سن کے بری طرح پریشان ہوگیا تھا۔ اس نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی، مگر وہ اپنی عادت کے مطابق اپنی بات پہ اڑ گیا تھا۔ ویسے بھی سب سے بڑا پوتا ہونے کی وجہ سے وہ داؤد صاحب کے بے حد نزدیک تھا۔ کسی کی ان سے اونچی آواز میں کی بات بھی اس کے لیے برداشت کرنا ناممکن ہوتا تھا، کجا کہ اس درجہ بے عزتی؟

اس نے اجیہ نجیب کو سزا دینے کی ٹھان لی تھی۔ اس لیے شاہی جانتا تھا کہ اس کا یہ سمجھانا بجھانا اب کسی کام نہیں آنے والا تھا۔

زوار نے وہیں رک کے اپنے ترتیب دیے پلان پہ کام شروع کیا تھا۔ اس دوران اجیہ کی دانش منیر سے انڈر اسٹینڈنگ اور منگنی کی خبر بھی اس کے علم میں آئی تھی اور باوجود اس کے کہ ان کے درمیان موجود دوسرا رشتہ وقت کی گرد تلے دب گیا تھا۔ اجیہ کا خیال اس کے ذہن سے کبھی فراموش نہ ہوسکا تھا۔ ویسے بھی وہ تو ان کے گھر کا ایک غائبانہ فرد تھی۔ جو ان کی زندگیوں سے نکل کر بھی نہ نکلی تھی۔ ایسے میں ان دونوں کے رشتے کے حوالے سے کوئی نہ کوئی آدھا ادھورا جملہ اس کے دل میں ہلکی سی ہلچل ضرور پیدا کرتا تھا۔

مگر اب اس سب کے بعد وہ میٹھی میٹھی سی کسک بھی ختم ہوگئی تھی۔ یہ اس کے لیے اب صرف عزت و ناموس کی لڑائی رہ گئی تھی۔ وہ لڑائی جسے بازغہ حسین پچھلے پچیس سال سے اپنے مکرو فریب کے بل بوتے پہ جیتتے ہوئے تھی۔ مگر جسے اب زوار کو اس کی شکست میں بدلنا تھا۔ اسے منیر حسین کو یہ بتانا تھا کہ درحقیقت بے آبرو ہونا کہتے کسے ہیں اور سب سے بڑھ کے اسے اجیہ نجیب کو نہ صرف اس کی بے لگامی پہ سبق سکھانا تھا بلکہ اس کی آنکھوں پہ بندھی اس کی ماں کی نیکی اور اچھائی کی پٹی بھی کھولنا تھی۔ کیسے؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن اسے اپنے اللہ پہ بھروسا تھا کہ وہ ضرور ایک باپ کی سچائی اس کی بیٹی پہ واضح کرے گا۔

زوار کا اجیہ کے لیے اٹھایا جانے والا قدم بظاہر ایک جذباتی فیصلہ تھا۔ لیکن درحقیقت اس کا بڑا گہرا اور مثبت پہلو تھا۔ جو دھیرے دھیرے ہی سب پہ واضح ہونا تھا۔ لیکن تب تک کے لیے اسے اپنے فیصلے پہ مضبوطی سے قائم رہنا تھا۔

☼ ☼ ☼

زوار نے بازغہ خلیل سے اپنا حساب تو بے باق کردیا تھا۔ لیکن داؤد صاحب جانتے تھے کہ اجیہ اور ان لوگوں کے درمیان موجود خلیج کو زوار کی اس حرکت نے اتنا وسیع کردیا تھا کہ اب اسے پاٹنا شاید ان میں سے کسی کے بس میں نہ رہا تھا۔ وہ داؤد صاحب کی آنکھوں کے سامنے ہر لمحہ ان کی آزمائش بن کے آکھڑی ہوئی تھی اور وہ اس کی نفرت سے کیسے نبرد آزما ہونے والے تھے۔ ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

داؤد حسن سمیت سب پر ہی یہ رات بہت بھاری گزری تھی اور یہ بوجھل پن اگلی صبح "حسن ولا" کے مکینوں سے لے کر اس کے در و دیوار تک پہ چھا گیا تھا۔ ہر کوئی چپ چاپ اپنی اپنی سوچوں میں گم اس نئے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ زوار البتہ سب سے بے نیاز ناشتا کرکے اپنے آفس جاچکا تھا۔ شاہی بھی خاموشی سے فیکٹری کے لیے نکل گیا تھا اور پیچھے ایک بار پھر یہی مسئلہ زیر بحث تھا۔

"یہ لڑکی مگرمچھ کے آنسو بہا رہی ہے۔ درحقیقت

یہ دونوں ماں' بیٹیاں جانتی تھیں کہ انہیں اس مقدمے سے کچھ حاصل وصول نہیں ہونے والا۔ لہٰذا یہ کسی اور موقع کی تلاش میں تھیں اور ہمارے لاڈلے نے جذبات میں وہ موقع ان کی جھولی میں لا پھینکا۔ جس زبردستی کا یہ شور مچارہی ہے' کوئی پوچھے بھلا وہ کب اور کیسے ہوئی؟ کیا منیر سو رہا تھا؟ میرا بیٹا اٹھا لے گیا تھا اسے؟"

جبین نے سرخ متورم آنکھوں سے حاضرین محفل کی جانب دیکھا۔ "یہ رونا دھونا' یہ شور' ہنگامہ صرف ڈراما ہے ان ماں' بیٹی کا۔ ورنہ اصل میں تو ان مکار عورتوں کی دلی مراد بر آئی ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو بابا جان! آپ ابھی اسے بلائیں اور کہیں کہ یہ منیر کو فون کرکے یہاں بلائے۔ میں خود اسے اس کے ساتھ بھیجوں گی اور دیکھوں گی کہ زوار کیسے اپنی غلطی نہیں سدھارتا۔"

"بھابھی! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اگر زوار نے زور زبردستی نکاح پڑھوایا تھا تو منیر یہاں کیوں نہیں آیا؟ اور بازغہ.... اس نے کیسے یہ سب برداشت کرلیا۔ یقیناً" دال میں کچھ کالا ہے اور یہ تب ہی کلیئر ہو سکتا ہے جب اجیہ' منیر اور ہم سب ایک دوسرے کے روبرو ہوں گے۔" عالیہ نے بھاوج کی تائید کی تو داؤد حسن نے پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلادیا۔ واقعی یہ سب سوال بے حد اہم اور غور طلب تھے۔

عالیہ کے کہنے پہ ملازمہ گیسٹ روم سے اجیہ کو بلانے گئی تھی۔ جو نہ جانے کیا سوچ کر اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ دوسری جانب ان سب نے بھی اسے اتنی آسانی سے اپنے سامنے پاکے سکھ کا سانس لیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا!" اسے دروازے کے پاس کھڑا دیکھ کے داؤد صاحب نے شفقت سے کہا۔

"کس لیے بلایا ہے مجھے؟" ان کی بات کو نظر انداز کیے وہ تنے ہوئے لہجے میں بولی تو داؤد صاحب کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ جبکہ باقی سب کو اس کا انداز بے حد ناگوار گزرا تھا۔

"بہت شور مچا رکھا ہے نا تم نے کہ زوار نے تمہارے ساتھ زبردستی نکاح پڑھوایا ہے۔" عالیہ اٹھ کر اسٹینڈ پہ پڑے کارڈلیس کی جانب بڑھیں اور فون اٹھا کر اجیہ کی طرف پلٹیں۔ "یہ پکڑو اور منیر کی بات کرواؤ بابا جان سے۔ ہم ابھی اسی وقت اسے یہاں بلا کے تمہیں اس کے ساتھ روانہ کریں گے۔" انہوں نے ساکت کھڑی اجیہ کا ہاتھ پکڑ کے اس پہ فون رکھ دیا تھا اور اجیہ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کرے؟

وہ بھلا کس منہ سے منیر ماموں کو فون کر سکتی تھی۔ انہوں نے تو محض یہ جان کر کہ وہ نکاح کر چکی ہے۔ اس سے ہر تعلق توڑ لیا تھا اور اگر جو انہیں یہ پتا چل جاتا کہ اس نے نکاح زوار حسن سے کیا ہے تو انہوں نے تو اس کی ماں کی بھی ساری زندگی شکل نہیں دیکھنی تھی' کجا کہ اس کی کسی بات پہ یقین کرنا اور اس کی مدد کرنا؟

نہیں.... وہ کسی طور اپنی ماں کی تکلیف میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اتنا تو وہ بھی بازغہ کو جانتی تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے انہوں نے از خود کسی سے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا ہوگا کہ اجیہ کا شوہر کوئی انجان شخص نہیں' بلکہ زوار حسن ہے۔ وہ بھلا اپنے ہاتھوں اپنی سبکی میں اضافے کا سامان کیسے کر سکتی تھیں؟ وہ تو بڑی خوددار اور غیرت مند عورت تھیں۔

"انہیں فون کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ اس سب کے بعد مجھ سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔" وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولی تو عالیہ کے چہرے پہ طنزیہ تاثر پھیل گیا۔

"کیوں تم نے زوار سے اپنی مرضی سے نکاح پڑھوایا ہے کیا۔ جو وہ تم سے قطع تعلق کر چکا ہے؟"

"آپ لوگوں کے عیار بیٹے نے انہیں یہی تاثر دیا ہے۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتی وہ دوبدو بولی۔

"اور تم اتنی سیدھی ہو نا کہ تم نے اسے جھٹلایا نہیں اور وہ منیر.... کیا اسے نہیں پتا کہ اس کی بھانجی کے ساتھ زور زبردستی کی گئی ہے یا اس نے اپنی مرضی سے نکاح رچایا ہے۔ وہ کیا اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے یا ہم تمہیں پاگل نظر آرہے ہیں؟" عالیہ غصے سے

بولیں تو اجیہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"نہ وہ پاگل ہیں اور نہ آپ لوگ۔ بلکہ زوار حسن ضرورت سے زیادہ مکار ہے۔ وہ نقلی نکاح نامہ لے کر میری منگنی میں پہنچ گیا تھا اور اسے اصلی ثابت کرکے مجھے نہ صرف زبردستی وہاں سے لے آیا' بلکہ بعد میں مجھ سے اصل نکاح بھی پڑھوالیا۔"

"کیا بکتی ہو؟ جعلی نکاح نامہ؟" حیران پریشان سی عالیہ نے پلٹ کے سب کی طرف دیکھا تو بہروز صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا فضول بات ہے یہ۔ جعلی نکاح نامے کو اصل ثابت کرنا کوئی مذاق ہے کیا؟" دلہن کی جگہ پہ تمہارے دستخط کے بغیر یہ کیسے ممکن ہے بھلا؟ اور یہی تو وہ پوائنٹ تھا جہاں پہ آکے وہ خود حیرت بھری الجھن میں گرفتار ہو جاتی تھی۔ تو وہ بھلا کسی اور کو کیا جواب دے سکتی تھی۔

اس وقت بھی وہ اسی کیفیت میں گھری یہ سوچ رہی تھی کہ انہیں اس بات کی کیا صفائی پیش کرے۔ جب جبین غصے سے بول اٹھی تھیں۔

"کس فراڈ کی باتوں پہ یقین کررہے ہیں آپ لوگ۔ کیا کوئی تک بنتی ہے اس بات کی؟" انہوں نے قہر برساتی نظروں سے اجیہ کو گھورا۔ "اصل بات یہ ہے کہ یہ لڑکی منیر کو فون نہیں کرنا چاہ رہی۔ جس کا مطلب ہے کہ نہ صرف یہ بلکہ اس کی ماں اور اس کا ماموں سب کی یہی خواہش اور کوشش تھی کہ اس گھر میں نقب لگائی جاسکے تاکہ اس دولت اور جائیداد کو یہ لوگ لوٹ سکیں اور ہمارے بیٹے کی غلطی نے ان مکار لوگوں کو یہ موقع باآسانی فراہم کردیا۔ مگر ایک بات یاد رکھنا لڑکی!" وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "میں تمہیں اور تمہاری ماں کو اپنے بیٹے کی زندگی سے نہیں کھیلنے دوں گی۔ تم نے ان چند دنوں میں یہ ثابت کردیا ہے کہ تم صرف بازغہ کی بیٹی ہو اور بازغہ جیسی عورت کی بیٹی ہمیں کسی بھی رشتے میں قبول نہیں۔"

"بے فکر رہیں۔ بازغہ کی بیٹی کو بھی آپ لوگ کسی حیثیت' کسی رشتے میں قبول نہیں۔ رہی یہ دولت اور جائیداد تو جو کہانی آپ کے دماغ نے بنائی ہے' وہ آپ کی اپنی سوچ کی عکاسی کررہی ہے۔ کیونکہ یہ دنیاوی چیزیں آپ لوگوں کا ایمان ہیں۔ میرا یا میری ماں کا نہیں۔ جنہیں آپ لوگوں نے ان کے ہر حق سے محروم کرکے اس گھر سے باہر نکال دیا تھا اور جب میں نے اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی تو مجھے باندی بنا کے اس گھر میں لا پھینکا۔ آپ جیسا ظالم اور خود غرض بھی بھلا کوئی ہو سکتا ہے؟ اگر زوار حسن نے میری واپسی کے راستے اس بری طرح بند نہ کیے ہوتے تو میں آپ کی غلط فہمی دور کرنے میں ایک لمحہ نہ لگاتی۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتی وہ متنفر لہجے میں بولی تو جبین کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ آکے غائب ہو گئی۔

"ٹھیک ہے.... تمہاری واپسی کا راستہ اب میں کھلواؤں گی؟ دیکھتی ہوں تم کتنے پانی میں ہو۔"

"شوق سے.... اس منحوس گھر میں آپ لوگوں کے درمیان سانس بھی لینا میرے لیے اذیت کا باعث ہے۔" کاٹ دار لہجے میں کہتی وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کے باہر نکل گئی تھی۔

"دیکھی آپ نے اس لڑکی زبان۔ اس کا بس چلے تو یہ ہم سب کو گولی سے اڑا دے اور آپ چلے تھے اپنا حصہ اس بدبخت کے نام کرنے۔" اس کے باہر نکلتے ہی غصے سے بھری مہناز نے شکایتی نظروں سے باپ کی جانب دیکھا تھا۔ جو بے بسی اور دکھ کے احساس تلے اک بوجھل سانس کھینچ کے رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اپنے پیچھے گیسٹ روم کا دروازہ پوری طاقت سے بند کرتے ہوئے ذلت اور دکھ کے احساس سے جلتی اجیہ تیز قدموں سے کمرے کے وسط میں آکھڑی ہوئی تھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ ایک بچے کی طرح بے اختیار پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ شکستگی کی کیفیت میں دو زانوں زمین پہ گر گئی تھی۔ کتنی بے مول تھی

اس کی ذات۔ جس کا اس بھری دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔ اس کے سگے باپ نے اسے ایک ناگوار بوجھ سمجھ کے جھٹک دیا تھا۔ جبکہ اس کے سوتیلے باپ نے اسے کبھی قبول ہی نہیں کیا تھا۔ خلیل جہانگیر کی موجودگی نے اسے اپنی ماں کی بھرپور محبت سے بھی محروم کردیا تھا۔ بے شمار دولت ہوتے ہوئے بھی ان کے پاس اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔ جب تک وہ ناسمجھ تھی' ان کی بڑبڑاہٹوں کے مفہوم سے ناآشنا تھی۔ لیکن تب بھی ان کی آنکھوں اور چہرے سے ٹپکتی نفرت کا احساس اسے خائف کردیتا تھا۔ انہیں اس کا اپنی چھوٹی بہنوں کے پاس آنا بھی گوارا نہ تھا۔ ان کے اس رویے نے اسے ان تینوں سے دور کردیا تھا۔ وہ اس فیملی کا حصہ ہوکے بھی ان سب سے الگ ہوکے رہ گئی تھی۔ اس کی زندگی کا محور و مرکز اس کی ماں کی ذات بن کے رہ گئی تھی۔ جن کی تھوڑی بہت محبت بھی اس کے ترسے ہوئے وجود کے لیے بہت تھی۔

رفتہ رفتہ اسے خلیل جہانگیر سے اپنا رشتہ خود ہی سمجھ میں آگیا تھا۔ جس کے بعد اس کے اندر اپنے اصل باپ اور اپنی اصل فیملی کے متعلق سوالوں کا ایک ڈھیر لگ گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں جو تلخ حقیقت اس کی ماں کے ذریعے اس کے علم میں آئی تھی' اس نے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا۔

اس کی ممی نے اسے بتایا تھا کہ اس کا باپ' نجیب حسن ایک بہت اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جبکہ خود ان کا تعلق نسبتاً" کم دولت مند فیملی سے تھا۔ اسی لیے جب نجیب حسن نے ان سے پسند کی شادی کا فیصلہ کیا تو اس کے ددھیال والوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کردیا اور باوجود اس کے کہ اس کی ممی داؤد حسن کے دوست کی بیٹی تھیں۔ انہیں یہ رشتہ منظور نہیں تھا۔ لیکن نجیب کی ضد کے آگے ان کی فیملی کو ہار ماننا پڑی تھی اور بالآخر وہ بہو بن کے "حسن ولا" میں آگئی تھیں۔ مگر چونکہ ان لوگوں نے انہیں دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ اس لیے ان کی نہ تو کوئی عزت تھی اور نہ ہی انہیں کوئی مقام دیا گیا تھا۔ ان کے گھر میں آتے ہی تمام ملازموں کو فارغ کردیا گیا تھا اور پھر ہر چیز کی ذمہ داری انہیں سونپ دی گئی تھی۔ نجیب حسن نے بھی اپنے ماں' باپ اور گھر والوں کی ہر زیادتی پہ خاموشی اختیار کرلی تھی۔

دن ایک ایک کرکے گزرنے لگے تھے۔ اس کی ممی پریگیننٹ ہوگئی تھیں۔ اس دوران اس کا باپ اپنی رنگین فطرت کے ہاتھوں مجبور ہوکے اپنی پرانی سرگرمیوں کی جانب لوٹ چکا تھا۔ بازغہ میں ان کی دلچسپی دن بہ دن کم ہوتی جارہی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی پیدائش نے بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔

اس کی ممی کے بقول اس کے باپ کو اول روز سے اس کے وجود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہی حال باقی گھر والوں کا بھی تھا۔ جو کئی کئی دن اس کا چہرہ تک نہیں دیکھتے تھے۔ ہاں! لیکن اجیہ کی ذات پہ اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے انہوں نے اس کا رشتہ بازغہ کی مرضی کے خلاف زوار حسن سے طے کردیا تھا۔ پھر جب وہ چھ' سات ماہ کی تھی' تب ایک دن وہ سب ایک فنکشن میں گئے ہوئے تھے۔ اس کی ممی اس کی وجہ سے جلدی گھر آگئی تھیں اور تب انہوں نے اس کے باپ کو اپنے ہی کمرے میں ایک عورت کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ ان کے شور مچانے اور احتجاج کرنے پہ اس کے ظالم باپ نے انہیں کھڑے کھڑے طلاق دے دی تھی اور جب یہ خبر اس کے باپ کے گھر والوں کو پتا چلی تھی' تب انہوں نے اس کی ماں کا ساتھ دینے کے بجائے اپنے بیٹے کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے انہیں جھوٹا قرار دے کر اجیہ سمیت گھر سے نکال دیا تھا اور پھر ایسے ہی ظالمانہ طریقے سے وہ اس کے پورے ننھیال کے ساتھ پیش آئے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اجیہ سے بھی مکمل طور پہ لاتعلقی اختیار کرلی تھی۔ تاکہ اسے جائیداد میں سے کچھ دینا نہ پڑے۔

عدت کے بعد اس کے نانا نے اس کی ممی کا رشتہ ان کے منع کرنے کے باوجود خلیل جہانگیر سے طے کردیا تھا۔ وہ بھی اس شادی کے لیے صرف اس لیے

راضی ہوگئی تھیں کہ خلیل' اجیہ کو بھی اپنانے کے لیے تیار تھے۔ اس طرح ان کی دوسری شادی خلیل جہانگیر سے ہوئی تھی اور وہ اسے لے کر جرمنی چلی آئی تھیں۔ جبکہ پیچھے کچھ عرصے بعد اس کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا۔

اس کہانی کے بعد اجیہ کا اپنے سگے باپ سے متعلق ہر سوال اپنی موت آپ مرگیا تھا اور ان کے لیے اس کے اندر سوائے نفرت کے اور کچھ نہ بچا تھا۔ اپنے لالچی اور گھٹیا ددھیال والوں کے لیے بھی اس کے دل میں کوئی جذبہ نہ تھا۔

اسے خلیل جہانگیر یکایک بہت بہتر انسان لگنے لگے تھے۔ جنہوں نے اپنی ناگواری کے باوجود کم از کم ایک ماں کو اس کی اولاد سے جدا تو نہیں کیا تھا۔ اسے اب ان سے کوئی شکوہ نہ رہا تھا۔ وہ ان کے گھر میں رہتی تھی۔ یہی بہت تھا۔ مگر اپنی ہر ہر محرومی پہ اس کے دل میں اپنے مرحوم باپ اور ان کے گھر والوں کے لیے عناد بڑھتا چلا جاتا تھا۔

ہائی اسکول کے بعد اس نے اپنا خرچ اٹھانے کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ چھوٹی موٹی نوکری بھی شروع کردی تھی اور اب کی بار اس کی ماں نے بھی اسے نہیں روکا تھا۔ وہ ان کی مجبوری سمجھتی تھی۔ اس دہری مشقت کی ہر تکلیف بھی "حسن ولا" کے مکینوں کے نام لکھی گئی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اسے اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے لیے بہترین تعلیم کی ضرورت تھی۔ اس لیے اس نے اپنی پوری توجہ پڑھائی پہ مرکوز کردی تھی۔ مگر عمر کے چوبیسویں سال جب وہ اپنا ماسٹرز کررہی تھی اسے ایک انڈین مسلم لڑکے سے محبت ہوگئی تھی اور بات شادی تک جا پہنچی تھی۔

خلیل جہانگیر نے بازغہ کے منع کرنے کے باوجود ان لوگوں کو صاف لفظوں میں بتادیا تھا کہ وہ اجیہ کے سگے باپ نہیں تھے۔ اس لیے وہ اسے کچھ بھی دینے والے نہ تھے۔

اس کورے جواب کے بعد وہ لوگ بتھے سے اکھڑ گئے تھے۔ اس لڑکے کو بھی خلیل صاحب کا انداز بے حد ہتک آمیز لگا تھا۔ اس نے اجیہ کو صاف لفظوں میں بتا دیا تھا کہ اس سب کے بعد اس کے گھر والے کسی طور اس رشتے کے لیے تیار نہ تھے اور چونکہ وہ بہت سے معاملات میں اب تک اپنی فیملی کا محتاج تھا۔ اس لیے وہ ان کے خلاف نہیں جاسکتا تھا۔

اجیہ کے لیے یہ سب سہنا بہت مشکل تھا۔ مگر چونکہ وہ جانتی تھی کہ اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے اس نے خاموشی سے اس کے فیصلے کو قبول کرلیا تھا مگر اس تلخ گھونٹ کے بعد اس نے بازغہ کے کہنے پہ دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ اب وہ غاصبوں سے اپنا حق لے کے رہے گی۔ گو کہ وراثت میں اس کا حصہ نہیں بنتا تھا کہ نجیب حسن کا انتقال داؤد صاحب کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا۔ لیکن بازغہ کو یقین تھا کہ ابھی بھی ایسا بہت کچھ تھا جو نجیب کی کمائی سے تھا اور جس پہ اجیہ قانوناً" حق رکھتی تھی۔ ان ہی کے مشورے پہ اس نے پہلے اپنی تعلیم مکمل کی تھی۔ ساتھ ہی دن رات ایک کرکے اس نے پاکستان جانے اور وہاں مقدمے کے لیے پیسے جمع کیے تھے۔ بازغہ نے بھی اس سلسلے میں اس کی تھوڑی بہت مدد کی تھی کہ خلیل جہانگیر اپنی پائی پائی کا حساب رکھنا خوب جانتے تھے۔

ڈیڑھ سال کی تگ ودو کے بعد وہ پاکستان آئی تھی اور یہاں پہنچ کے اس نے منیر صاحب کے مشورے سے بہترین وکیل کیا تھا۔ اس دوران منیر ماموں کا بیٹا دانش بہت تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔ دونوں کو ہی ایک دوسرے کا ساتھ بھایا تھا اور انہوں نے اس ساتھ کو ہمیشہ نبھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اس دوران "حسن ولا" کے لالچی مکین نوٹس ملتے ہی اس سے اپنی محبت جتانے آکھڑے ہوئے تھے۔ اس کا خون کھول اٹھا تھا اور اس نے اپنی ساری جلن بنا کسی خوف کے ان لوگوں پہ نکال دی تھی۔ مگر یہ جرأت اسے اتنی مہنگی پڑ جائے گی اور "حسن ولا" کی نئی نسل اس درجہ کم ظرفی اور کمینگی پہ اتر آئے گی' اس بات کا اسے اندازہ نہ تھا۔

زوار حسن ایک طوفان کی طرح اس کی زندگی میں آیا تھا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تہس نہس کرتا چلا گیا تھا۔ اس مکاری سے کہ وہ سچی ہو کے بھی جھوٹی بن گئی تھی اور وہ جھوٹا ہو کے بھی سچا بن گیا تھا۔ ایسے میں ان بے حس اور اخلاقی طور پہ دیوالیہ لوگوں سے اس کی نفرت اور گھن میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اپنی دولت کو بچانے کے لیے وہ کیسے اس کے در پہ محبت کا راگ الاپتے ہوئے چلے آئے تھے اور آج جب ان کے بیٹے نے اس کی مرضی کے خلاف ہی سہی، لیکن اجیہ کو ان کے درمیان لا بٹھایا تھا تو وہ سب ہی اپنے چند دن بیشتر کے دعوے کو بھول بھال اسے اس گھر سے نکالنے پہ تل گئے تھے۔ ان کے دوغلے پن نے اسے حیران کرنے کے ساتھ ساتھ بے انتہا دکھی بھی کر دیا تھا۔ اپنی کم مائیگی پہ آنسو بہاتے اس کا دل اپنی حرماں نصیبی پہ رو رہا تھا۔ جسے ساری زندگی عزت، پیار اور مان نہیں ملا تھا اور شاید اب زندگی کی آخری سانس تک ملنے والا بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

دو دن ہو گئے تھے، بازغہ کو اجیہ سے بات کیے ہوئے۔ مگر ان کی بے یقینی تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ بھوک، پیاس، نیند ہر احساس جیسے ختم ہو گیا تھا۔ سوچوں نے انہیں خود سے بھی بے گانہ کر دیا تھا۔

ان کی حالت کو اجیہ کی شادی سے منسوب کرتے ہوئے خلیل صاحب کی جھلاہٹ عروج پہ پہنچ گئی تھی۔ طعنے، باتیں سنانے کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ان کی اس سوگوار کیفیت سے اب تو انعم اور حبہ بھی چڑنے لگی تھیں۔ آخر اجیہ نے صرف اپنی پسند سے شادی ہی تو کی ہے۔ اس میں اتنا اوور ری ایکٹ کرنے والی کون سی بات ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ان کی بات پہ بازغہ کے دل میں اک ہوک سی اٹھتی تھی۔ کاش کہ معاملہ یہیں تک ہوتا تو وہ کبھی پروا بھی نہ کرتیں۔ مگر یہاں تو پچھلی پچیس سال کی بساط ہی الٹ گئی تھی۔ ان لوگوں نے نہ جانے اجیہ کو کیا پٹی پڑھائی تھی کہ اس نے زوار سے ہی شادی کر لی تھی۔ لیکن اس سے بھی بڑی الجھن کی بات یہ تھی کہ اجیہ نے اگر زوار سے مہینے بھر سے نکاح کر رکھا تھا تو اس دوران اس کا رویہ بازغہ کے ساتھ تبدیل کیوں نہیں ہوا تھا؟ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں تھی کہ "حسن ولا" کے مکینوں نے اس کی ہر غلط فہمی دور کرنے میں لمحہ نہ لگایا ہو گا اور سچائی جاننے کے بعد اجیہ نے گزشتہ برسوں کی ہر بات بھلا دی ہو مگر دو دن پہلے بھی جب اس کا فون آیا تھا تو وہ صرف گھبرائی ہوئی تھی۔ ان سے اکھڑی ہوئی نہ تھی اور یہ کوئی عام بات نہیں تھی۔

اس نقطے پہ وہ جتنا غور کرتی جا رہی تھیں، اتنی ہی ان کے دل میں کھٹک بڑھتی جا رہی تھی۔ یقیناً کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ مگر ان کی مجبوری تھی کہ وہ اس گڑبڑ کا سراغ اتنی دور بیٹھ کے بنا کسی کی مدد کے نہیں لگا سکتی تھیں۔ جبکہ پاکستان جانا سب کے کان کھڑے کرنے والی بات تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ان کے پاس ایک ہی راستہ بچا تھا۔ انہیں بڑے صبر سے اجیہ کی دوبارہ کال کا انتظار کرنا تھا۔ بشرطیکہ وہ دوبارہ کال کرتی۔

☼ ☼ ☼

زوار آفس سے آ کر فریش ہونے کے بعد لاؤنج میں آیا تو بہروز حسن اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کی اس حرکت پہ اس کی نظریں ماں کی جانب اٹھی تھیں۔ جو اسے مکمل طور پہ نظر انداز کیے ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ بے اختیار وہ اک گہری سانس لیتا صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔ ثانیہ خاموشی سے کارپٹ پہ بیٹھی، سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"ثانی! بابا جان کی چائے ان کے کمرے میں دے آنا۔ وہ یہاں نہیں آنا چاہتے۔" ٹی وی سے نظریں ہٹاتے ہوئے جبین بظاہر ثانیہ سے مخاطب ہوئی تھیں مگر درحقیقت انہوں نے کسے سنایا تھا۔ زوار اچھی طرح جانتا تھا۔

رات اس کے جانے کے بعد جو بابا جان کی کیفیت ہوئی تھی۔ وہ بھی ثانیہ صبح اسے بتا چکا تھا۔ اس لیے وہ کچھ سوچتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ثانی! تم میری چائے بھی وہیں لے آنا۔ میں بابا جان کے پاس جا رہا ہوں۔" اس کی بات پہ جبین بیگم نے پہلو بدلا تھا مگر وہ ان دیکھا کیے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

داؤد صاحب اپنے کمرے میں پرانے البم کھولے بیٹھے تھے۔ دستک کی آواز پہ ان کی نظریں دروازے کی جانب اٹھی تھیں لیکن جوں ہی زوار کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی نگاہیں ایک بار پھر البم پہ جما گئے تھے۔

"بابا!" اس نے آہستگی سے انہیں پکارا تھا۔ مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کے وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا دوزانوں ان کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔

"پلیز بابا! میری طرف دیکھیں تو۔" ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے وہ التجائیہ لہجے میں بولا تھا لیکن داؤد صاحب کی نظروں کے زاویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے، بہت سوچ سمجھ کے کیا ہے بابا میرا یقین کریں۔ میں خود سے وابستہ ہستیوں خاص طور پہ آپ کو تکلیف دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" ان کے چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ دھیمے لہجے میں بولا تو داؤد صاحب کے لبوں پہ اک دکھ بھری مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"مگر تم مجھے بہت بری طرح تکلیف پہنچا چکے ہو زوار!" انہوں نے یک لخت اپنی نظریں اٹھاتے ہوئے زوار کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا درد بھرا شکوہ اسے لحظہ بھر کو خاموش کر گیا تھا۔

"بلکہ صرف تکلیف نہیں، تم نے میرے مان کو بھی ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں جو یہ سمجھتا تھا کہ تم کبھی کوئی غلط کام کر ہی نہیں سکتے، تم نے میرے اس یقین کو توڑ ڈالا ہے۔ تم نے اجیہ کے دل میں پنپتی بدگمانیوں پہ یقین کی مہر لگا دی ہے۔ میں اب مرتے دم تک کبھی اس کا دل اپنے نجیب کی جانب سے صاف نہیں کر سکوں گا۔ میں کبھی اسے یہ یقین نہیں دلا سکوں گا کہ میں اس سے کتنا پیار کرتا ہوں۔" بات کرتے کرتے ان کی آواز بھرا گئی تو زوار بے اختیار اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گیا۔ اس میں تو کوئی شک نہ تھا کہ داؤد صاحب کے لیے یہ ساری صورت حال بہت تکلیف دہ تھی۔ وہ اجیہ کو بے انتہا چاہتے تھے۔ فی الوقت وہ انہیں اگر اپنے مقصد کی گہرائی سمجھانا چاہتا ہے۔ تب بھی شاید نہیں سمجھا سکتا تھا۔

"بابا! کیا آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے؟" ان کی جانب دیکھتا وہ دل گرفتی سے بولا تو داؤد حسن اک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولے۔

"میری معافی تو ان حالات میں بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی زوار! ہاں اگر تم میری اذیت میں کمی چاہتے ہو، یہ چاہتے ہو کہ تمہارا بوڑھا دادا سکون سے مر سکے تو میری ایک بات مان لو۔"

"آپ... آپ کہیں بابا... میں آپ کی بات کبھی نہیں ٹالوں گا۔" اس نے بے قراری سے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تم اجیہ کو اپنی زندگی میں ہمیشہ کے لیے شامل کر لو۔ اسے اپنی عزت بنا لو بیٹا!" اور ان کا مطالبہ سن کے زوار کسی بت کی طرح ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اجیہ کو آزاد کر دینے کی بات کریں گے اور ان کی خاطر وہ یہ بھی کر گزرنے کو تیار تھا کہ یہ سب کچھ اس نے اپنے خاندان کی خاطر ہی تو کیا تھا۔ مگر وہ سب کچھ جانتے ہوئے اسے، اجیہ کو اپنانے کے لیے کہہ دیں گے۔ اس بات کا اسے اندازہ نہ تھا۔

"بابا... لیکن..."

"زوار! اگر تمہارے دل میں میری ذرا سی بھی عزت ہے تو تم میرا کہا نہیں ٹالو گے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے اس کے فرار کی ساری راہیں مسدود کر ڈالیں تو وہ یک ٹک ان کی جانب دیکھتے ہوئے لب بھینچ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں۔۔۔ میں اجیہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے تیار ہوں۔" چند کڑے لمحوں کے توقف کے بعد وہ اٹکتے ہوئے بولا تو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی ثانیہ بھائی کی آواز پہ دم بخود اپنی جگہ پہ ساکت ہو گئی تھی۔ آن واحد میں ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹا! میرا مان رکھنے کے لیے بہت شکریہ میرے بچے۔" فرط مسرت سے جھک کر انہوں نے زوار کا سر چوم لیا تو اس نے مارے بے بسی کے اپنی آنکھیں ایک پل کو بند کرلیں۔

"لیکن بابا! اجیہ تو شاید کبھی نہیں مانے گی اور امی۔۔۔ وہ بھی اس بات کے لیے کبھی راضی نہیں ہوں گی۔" ثانیہ ہوش میں آتے ہوئے تیز قدموں سے آگے بڑھی تو داؤد صاحب کے چہرے پہ پرسکون سی مدھم مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اللہ نے چاہا تو وہ بھی مان جائے گی۔ رہے جبین اور بہروز تو مجھے یقین ہے وہ دونوں میری بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔"

اور ان کے مطمئن لہجے پہ ثانیہ بے اختیار بھائی کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔ جو نظریں جھکائے بے تاثر چہرہ لیے بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

✵ ✵ ✵

"کیا؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا!" جبین کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ "کیا وہ لڑکی آپ کو اتنی پیاری ہو گئی کہ آپ میرے بچے کی زندگی تباہ کرنے چلے ہیں۔ کیا آپ نجیب کا انجام بھول گئے ہیں؟"

سسر کی جانب دیکھتی وہ غصے سے بولی تھیں۔ ان کی بات پہ داؤد صاحب کے چہرے کا رنگ سرعت سے پھیکا پڑ گیا تھا۔ جبکہ بہروز حسن نے تیز نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔

"جبین!"

"مجھے مت ٹوکیں بہروز! یہ بات کڑوی ضرور ہے۔ لیکن یہی سچائی ہے۔ اجیہ، نجیب کا خون ضرور ہے مگر اس کی پرورش ایک حرافہ کے ہاتھوں ہوئی ہے اور میں اتنی پاگل نہیں کہ ایک گری ہوئی عورت کی بگڑی ہوئی بیٹی کو اپنے بیٹے کی عزت تار تار کرنے کے لیے اس کی زندگی میں لے آؤں۔" وہ شوہر کی جانب دیکھتی تیز لہجے میں بولیں تو بہروز صاحب کی بھنویں تن گئیں۔

"مت بھولو کہ تمہارا بیٹا یہ کام اپنے ہاتھوں انجام دے چکا ہے جبین! اب ہم میں سے کوئی مانے یا نہ مانے، اجیہ اس کی بیوی بن چکی ہے اور شرافت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ نبھائے۔"

"لیکن مجھے یہ رشتہ قبول نہیں زوار کو ہر حال میں اجیہ کو طلاق دینا ہو گی۔" وہ بنا کسی جھجک کے اٹل لہجے میں بولیں تو داؤد حسن کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔

"یوں نہ کہو بیٹا! اجیہ بھی ہماری اپنی بچی ہے۔ زوار نے جذبات میں آکے جو غلطی کی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ اثر اگر کسی کی زندگی پہ پڑا ہے تو وہ اجیہ ہے۔ تم خدارا معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایک غلطی زوار نے کی ہے۔ دوسری غلطی تم مت کرو۔" انہوں نے التجائیہ لہجے میں کہتے ہوئے بیٹے اور بہو کی جانب دیکھا۔

"تم لوگوں نے آج تک مجھے جو مان اور عزت دی ہے۔ وہ بے مثال ہے۔ میں خوش نصیب ہوں کہ اللہ نے اس دور میں بھی مجھے اتنی سعادت مند اولاد اور جان چھڑکنے والے پوتے، پوتیاں دی ہیں۔ لیکن آج میں تم دونوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اجیہ کو اپنالو۔ اپنے بوڑھے بابا کی اس آخری گزارش کو سن لو بیٹا! شاید اللہ تعالیٰ نے اس بچی کے اس گھر میں آنے کی یوں ہی سبیل بنا رکھی تھی۔ اس کے کھولے گئے راستے کو اپنے ہاتھوں سے بند نہ کرو۔ دیکھو میں تم دونوں کے آگے ہاتھ۔۔۔" انہوں نے بات کرتے ہوئے یک لخت اپنے ہاتھ جوڑ دیے تو بہروز حسن نے تڑپ کے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"خدا کا واسطہ ہے بابا! کیوں مجھے گناہ گار کرتے

ہیں۔ ٹھیک ہے آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہے۔ اجیہ ہماری بہو ہے اور رہے گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولے تو آنکھوں میں نمی لیے بے یقین سے داؤد صاحب دھیرے سے مسکرا دیے۔ جبکہ جبین نے اپنے لب سختی سے بھینچ لیے تھے۔ ان کی کیفیت سمجھتے ہوئے بہروز صاحب نے نرمی سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"جبین! تم جانتی ہو کہ بابا نے ہم سے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا ہے اور مجھ میں اپنے باپ کو خالی ہاتھ لوٹانے کا حوصلہ نہیں۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ تم ہمیشہ کی طرح میرا ساتھ ضرور دو گی۔" اور ان کے اس درجہ مان پہ جبین بیگم کا ہر انکار ان کے اندر ہی دم توڑ گیا تھا۔ مارے بے بسی کے وہ یک لخت پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھیں۔ ان کے آنسو ان کی پسپائی کا اعلان تھے۔ بے اختیار داؤد حسن کا ہاتھ ان کے سر پہ آٹھہرا تھا اور ان کے دل نے گہرائی سے اپنے بچوں کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگی تھی۔

✵ ✵ ✵

"میں مر جاؤں گی، مگر اس کمینے اور ذلیل انسان کے ساتھ کبھی زندگی نہیں گزاروں گی اور آپ لوگ ہوتے کون ہیں میرے لیے فیصلے لینے والے۔ ہاں۔۔۔؟" کف اڑاتی اجیہ نے خون آشام نگاہوں سے اپنے کمرے میں کھڑی عالیہ اور مہناز کی جانب دیکھا۔

"تمیز سے بات کرو احسان فراموش لڑکی! بجائے اس کے کہ تم ہماری اور ہمارے بچے کی شکر گزار ہو کہ ہم اپنے بابا جان کے کہنے پر ہی سہی لیکن تمہاری زندگی برباد ہونے سے بچا رہے ہیں۔ تم ہمیں آنکھیں دکھا رہی ہو؟ ارے آج اگر ہم تمہیں ہاتھ پکڑ کے اس گھر سے باہر نکال دیں تو کبھی سوچا ہے تم نے کہ تم کہاں کھڑی ہو گی؟ اور کیا بگاڑ لو گی ہمارا؟ ہماری شرافت اور اچھائی کو ہماری کمزوری مت سمجھو اجیہ۔۔۔ کیونکہ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں، بلکہ تمہیں ہماری ضرورت ہے۔" اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے عالیہ غصے سے بولیں۔

"اچھی طرح جانتی ہوں کہ کس کو کس کی ضرورت ہے۔ یہ نیکی، یہ خدا خوفی سب ایک چال ہے۔ اپنی دولت بچانے کی، مجھے محکوم بنانے کی۔ مگر میں آپ کی اس گھٹیا چال میں نہیں آؤں گی۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتی وہ شعلے برساتے لہجے میں بولی تو عالیہ کے لبوں پہ اک استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

"سچ کہا ہے کسی نے، ساون کے اندھے کو ہرا ہرا نظر آتا ہے۔ جیسی تم ماں بیٹی خود ہو، ویسے ہی تمہیں باقی لوگ بھی نظر آتے ہیں۔ جھوٹے اور مکار، خواہشات کے مارے ہوئے۔ لیکن اگر تمہیں یاد ہو تو ہم نے یہ "چال" چلنے سے پہلے تم سے کہا تھا کہ اپنے ماموں سے ہماری بات کرواؤ، تاکہ تمہیں اس کے ساتھ بھیج دیں۔ لیکن تب شاید تم نے ہی انکار کیا تھا۔"

"ہاں کیا تھا۔ لیکن اب میں اپنی ماں کو ضرور فون کروں گی اور انہیں ہر وہ جھوٹ بتاؤں گی جو ان سے بولا گیا ہے۔" غصے سے چیخی۔

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہو گی۔ کم از کم ہماری اور ہمارے بچے کی جان تو چھوٹے گی۔" زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے اچانک با آواز بلند ملازمہ کو پکارا تھا۔ جو ان کی ہدایت پر پہ لاؤنج سے کارڈلیس اٹھا لائی تھی۔ عالیہ نے ملازمہ سے فون لیتے ہوئے اجیہ کی جانب دیکھا۔ "یہ رکھا ہے فون، جس سے جی ہے بات کرتی پھرو۔" وہ فون بیڈ پہ اچھالتی مہناز کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ اور پیچھے اجیہ بے یقین سی کھڑی بند دروازے اور سامنے پڑے فون کو دیکھتی رہ گئی۔

✵ ✵ ✵

"ٹھیک ہے۔ میں رخصتی کے لیے تیار ہوں۔"

رات میں عالیہ اور مہناز اس کا حتمی جواب لینے کے لیے آئی تھیں۔ لیکن اس کا اقرار سن کے وہ دونوں ایک لمحے کے لیے حیران کھڑی رہ گئی تھیں۔ اس کا کھویا کھویا انداز اور بدلا ہوا فیصلہ دو ہی باتوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ یا تو بازغہ نے اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یا پھر اس نے اجیہ کو کوئی نئی پٹی پڑھائی

تھی۔ مگر وہ اسے کوئی تاثر دیے بنا باہر نکل گئی تھیں۔

اس کے مثبت جواب نے سوائے ایک داؤد صاحب کے پورے گھر میں کھلبلی سی مچادی تھی۔ حتیٰ کہ جب زوار کو بھی پہلے اس کے انکار اور بعد میں اقرار کے بارے میں پتا چلا تھا تو وہ بے اختیار سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اگر یہ سچ تھا کہ اجیہ نے ہر بات اپنی ماں کو بتادی تھی، تب تو یقیناً "رخصتی کا یہ فیصلہ ان دونوں ماں بیٹی کی کسی ملی بھگت کا نتیجہ تھا اور اگر ایسا تھا تو اجیہ نجیب نے اپنے حق میں بہت برا کیا تھا۔ کیونکہ وہ نجیب حسن نہیں، بلکہ زوار حسن تھا۔ جو اپنے دشمنوں کو کسی طور معاف کرنے کا قائل نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ ایک بے حد شان دار تقریب میں زوار کے سنگ رخصت ہو کے بالکل نئے انداز میں "حسن ولا" میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے آنے پہ داؤد صاحب کی ہدایت کے مطابق سب ہی رسمیں پوری کی گئی تھیں مگر کوشش کے باوجود دولہا، دلہن سمیت کوئی بھی ان رسموں میں دل سے شریک نہ ہوسکا تھا۔ اجیہ کے وجود پہ چھایا سناٹا آج اپنے عروج پہ تھا۔ اس نے جب سے رخصتی کے لیے اقرار کیا تھا۔ وہ اس دن سے ہی گم صم سی ہو گئی تھی۔ دلہن کے روایتی لباس، زیورات اور خوب صورت میک اپ میں بھی اس کے چہرے کا خالی پن اور لبوں کی خاموشی صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ لیکن جب رسموں کے اختتام پہ اسے زوار کے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ تب اس کے چہرے کا بے تاثر پن شدید گھبراہٹ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ سب کے جانے کے بعد سب سے پہلے اپنا حلیہ ٹھیک کرے گی۔ سج سنور کے کم از کم اس کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اسے اس گھر میں آئے آج ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا۔ اس دوران اس کا دوبارہ زوار سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

سب کے باہر جانے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ اپنے عکس پہ نگاہیں جمائے وہ ایک لمحے کے لیے پلکیں جھپکانا بھول گئی تھی۔ آف وائٹ اور ڈارک گرین برائیڈل ڈریس میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اتنی کہ بے اختیار اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ کاش کہ آج یہ تیاری دانش کے حوالے سے کی گئی ہوتی تو اس کی خوشی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ مگر شاید وہ محبت کے معاملے میں شروع سے ہی بدنصیب رہی تھی۔ تب ہی تو اس کا دل کبھی حقیقی خوشی سے ہمکنار نہیں ہوسکا تھا۔

ڈبڈبائی نظروں سے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کے اپنے جھمکے کو اتارنا چاہا تھا۔ جب اسے اپنے پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔

بے اختیار اجیہ کے ہاتھ لحظہ بھر کو ساکت اور نگاہیں سامنے آئینے کی جانب اٹھی تھیں۔ جو دروازے کے عین سامنے والی دیوار کے ساتھ ہونے کی وجہ سے پیچھے کا سارا منظر واضح کر رہا تھا۔ زوار کو دروازہ بند کرتا دیکھ کے اجیہ کا دل اچھل کے حلق میں آگیا تھا۔ مگر بظاہر وہ مضبوط بنی ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

لیکن جوں ہی زوار اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ اجیہ کے لیے اپنی بے نیازی اور ہمت دونوں قائم رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ جھمکے پہ ہاتھ رکھے وہ خوف زدہ نظروں سے آئینے میں ایک ٹک زوار کو دیکھے چلی گئی تھی۔ جو بلیک تھری پیس سوٹ میں پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا دھیرے دھیرے چلتا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ وہ آج حقیقتاً "غضب ڈھا رہا تھا۔ لحظہ بھر کو دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے پہ ٹھہر سی گئی تھیں۔

"جس کے لیے یہ روپ سجا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر تم کیسے اسے ہاتھ لگا سکتی ہو؟"

اس کی آنکھوں میں تکتا وہ یک لخت سرد لہجے میں بولا تو اجیہ کے چہرے پہ پھیلا خوف مزید گہرا ہو گیا۔ اسی اثنا میں زوار نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پہ رکھتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے اپنے قریب کیا تو

اجیہ کے لیے اپنی وحشت پہ قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"چھوڑو! چھوڑو مجھے۔" اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ تڑپ کے اس سے دور ہٹنے کی کوشش میں سامنے ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرائی تھی۔ اس کے ٹکرانے سے کتنی ہی چیزیں نیچے آگری تھیں۔ مگر وہ کسی بات کی پروا کیے بغیر خود کو سنبھالتی تیزی سے اس کی جانب گھومی تھی۔ جو اس سارے منظر کو بنا کسی حیرت کے محظوظ ہوتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اجیہ کے پلٹنے پہ اس کی حظ اڑاتی نگاہیں اس کی متوحش آنکھوں سے آ ٹکرائی تھیں۔

"خاصا عجیب رد عمل نہیں ہے تمہارا؟ ویسے اس رخصتی کے لیے تم ہی نے ہامی بھری تھی نا یا پھر۔۔۔" وہ قصداً" بات ادھوری چھوڑتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔

"ک۔۔۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے سہمی ہوئی نظروں سے زوار کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ ڈیر کہ کہیں "ممی" کے کہنے پہ تو تم نے یہ قدم نہیں اٹھایا؟" وہ گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا تو اجیہ کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا۔

"جو زہر تم میری زندگی میں گھول چکے ہو، اس کے بعد تمہیں لگتا ہے کہ انہوں نے مجھ سے بات کی ہوگی؟" اس کی جانب دیکھتی وہ تلخ لہجے میں بولی تو زوار کے لبوں پہ اک طنزیہ مسکراہٹ آ کے غائب ہو گئی۔

"فی الحال تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن تمہارا سوال میں نے ذہن نشین کر لیا ہے اور اب تم بھی میری ایک بات دماغ میں بٹھالو۔" بات کرتے کرتے وہ یک لخت قدم بڑھا کے اس کے سر پہ آکھڑا ہوا تو اجیہ نے گھبرا کے پیچھے ہٹنا چاہا مگر زوار نے اس کا بازو بے رحمی سے جکڑتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچ لیا اور اجیہ کسی بے جان گڑیا کی طرح اس کے سینے سے جا ٹکرائی تھی۔

"مجھے نجیب حسن سمجھنے کی غلطی مت کرنا۔ کیونکہ جس دن مجھے یہ پتا چلا کہ تم نے مجھ سے اس معاملے میں کوئی چال چلی ہے۔ اس دن میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ بلکہ اس دن میں تمہیں تمہاری اصل اوقات یاد دلا دوں گا۔ میرے گھر والوں کے جذبات اور میری عزت کے ساتھ کبھی بھول کر بھی کھیلنے کی غلطی مت کرنا اجیہ نجیب حسن! کیونکہ اگر میں اپنے باپ، دادا کی عزت کی خاطر تمہیں عزت بنا سکتا ہوں تو سوچ لو کہ میں اپنی عزت کی خاطر کس حد تک جاسکتا ہوں۔"

اس کی خوف زدہ آنکھوں میں تکتا وہ انتہائی سرد اور بے لچک لہجے میں بولا تو اجیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

"تم اس کمرے میں صرف بابا جان کی خواہش پہ لائی گئی ہو۔ اس لیے کوئی خوش فہمی پالنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری اتنی اوقات نہیں کہ زوار حسن تمہیں منہ لگائے، سمجھیں!"

اس کے وجود کو کسی حقیر شے کی طرح جھٹکتا وہ ڈریسنگ روم میں جا گھسا تھا۔ جبکہ پیچھے کھڑی اجیہ کو لگا تھا جیسے کسی نے اس کی عزت نفس کی دھجیاں بکھیر کے اس کی ذات کو دو کوڑی کا کر دیا ہو۔

"کیا اب اس کی زندگی کا آنے والا ہر لمحہ اتنی ہی تذلیل اور حقارت کی نظر ہونے والا تھا؟"

"کرب سے سوچتے ہوئے وہ بے اختیار اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔

☼ ☼ ☼

رات کے تین بجنے کو تھے۔ مگر بازغہ کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔ خلیل جہانگیر آج رات بھر گھر سے غائب تھے۔ لیکن بازغہ کو ان کی پروا نہ تھی۔ ان کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ بالآخر وہ تھک کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ تازہ ہوا میں سانس لینے کا خیال انہیں بالائی منزل سے اتر کے داخلی دروازے کی جانب لے آیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کے باہر لان میں نکلیں۔ ان کی نظر تہہ خانے سے آتی روشنی سے ٹکرائی تھی۔

وہ تہہ خانے کی لائٹ بند کرنے کے ارادے سے

نیچے کو جاتی سیڑھیوں کی طرف آئی تھیں۔ لیکن آخری سیڑھی پہ انعم کو بیٹھا دیکھ کے وہ ٹھٹک گئی تھیں۔ اردگرد سے بے نیاز وہ ہتھیلی پہ کوئی چیز رکھے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے ناک کے قریب لے جا کے سونگھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو بازغہ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ لیکن جوں ہی اس نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کے ایک چھوٹی سی تھیلی برآمد کرتے ہوئے اس میں سے سفید رنگ کا پاؤڈر اپنی ہتھیلی پہ ڈالا تھا۔ بازغہ کی آنکھیں مارے بے یقینی کے پھٹ گئی تھیں۔

"انعم!" حلق کے بل چلاتے ہوئے وہ تیر کی طرح نیچے پہنچی تھیں۔ جھپٹ کر انہوں نے ایک ہاتھ سے اس سے وہ تھیلی چھینی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے پہ تھپڑ رسید کرنے والی تھیں کہ اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

"اپنی حد میں رہیں اور ادھر دیں یہ پیکٹ۔" سرخ آنکھوں سے انہیں گھورتے ہوئے وہ انتہائی غصے سے بولی تو بازغہ کا خون کھول اٹھا۔

"تمیز سے بات کرو۔"

"دیتی ہیں کہ نہیں؟" ان کی بات نظرانداز کیے اس نے ان کی کلائی مروڑی تو بازغہ کی چیخ نکل گئی۔ وہ اس وقت ہوش میں نہیں تھی۔ اس کی وحشت ناک گرفت اور چہرے سے ٹپکتے اشتعال نے بازغہ کو خوف زدہ کر دیا تھا۔

انہوں نے تکلیف کے عالم میں اپنا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ انعم نے سرعت سے پیکٹ ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"دوبارہ میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔" تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائے وہ ایک جھٹکے سے انہیں اپنے سامنے سے ہٹاتی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

بازغہ لڑکھڑاتی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی تھیں۔ ان کی بے یقین آنکھیں اوپر جاتی انعم کی جانب اٹھی تھیں۔ جو آخری سیڑھی پہ پہنچ کر ان کی طرف پلٹی تھی۔

"اور... پاپا کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ میں یہ گھر چھوڑنے میں منٹ نہیں لگاؤں گی۔" ہلکے ہلکے ڈولتے ہوئے وہ رکھائی سے اپنی بات مکمل کر کے لڑکھڑاتے قدموں سے پلٹ کے آگے بڑھ گئی تھی اور پیچھے حق دق کھڑی بازغہ وہیں سیڑھی پہ بیٹھ گئی تھیں۔

انہوں نے بھلا خلیل جہانگیر کو کیا بتانا تھا۔ وہ تو خود ساری زندگی ایسے ہی الٹے سیدھے شوق میں پھنسے رہے تھے۔ لیکن ابھی کا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے سے نہیں ہٹ رہا تھا۔

"او میرے خدا! میں کیا کروں؟" بے اختیار انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ساری رات آنسو بہانے کے بعد اجیہ کی آنکھ لگے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔ جب تیز روشنی نے اسے آنکھیں کھولنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ سر اٹھاتے ہوئے اس نے کمرے میں مندی مندی آنکھوں سے اپنے اردگرد دیکھا اور زواز کو جائے نماز پہ کھڑا دیکھ کے اس کا نہ صرف خون جل کے رہ گیا تھا۔ بلکہ آنکھیں بھی پٹ سے کھل گئی تھیں۔

تنفر سے ہنکارا بھرتے ہوئے اس نے غصے سے کروٹ بدلی تھی۔ مگر کھولن اتنی شدید تھی کہ اس کی ساری نیند اڑ گئی تھی۔ جل کر سیدھے ہوتے ہوئے اس نے آنکھوں پہ بازو رکھ لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے کھٹ پٹ سنائی دی تو وہ سمجھ گئی کہ زوار نماز پڑھ چکا ہے۔

"منافقوں کی نماز قبول نہیں ہوتی۔" آنکھوں پہ سے بازو ہٹائے بغیر وہ تلخ لہجے میں بولی تو زوار جو ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اپنی جگہ پہ رک گیا۔ اس کی نظر صوفے پہ لیٹی اجیہ کی جانب اٹھی تھی۔ جو کب بیدار ہوئی تھی اسے پتا نہیں چلا تھا۔

"قبول کرنا نہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ ہاں لیکن بے

نمازیوں سے تو پھر بھی بہتر ہوں۔" اس کے طنزیہ اجیہ نے ایک جھٹکے سے بازو ہٹاتے ہوئے زوار کی طرف دیکھا تھا۔ جو ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتا ڈریسنگ روم میں غائب ہو گیا تھا۔

"ہونہہ! بڑا آیا نمازی... اللہ ایسے مکار اور ظالم لوگوں پہ لعنت بھی نہیں بھیجتا۔" کلس کر بڑبڑاتے ہوئے اس نے کھینچ کر کمبل سر تک تان لیا تھا۔

زوار چینج کر کے ٹریک سوٹ میں باہر آیا تو نظر بے اختیار ایک بار پھر صوفے کی طرف اٹھ گئی۔

"اگر اٹھ چکی ہو تو سن لو۔ تمہارا شوہر روزانہ اسی وقت اٹھنے کا عادی ہے۔ نماز کے بعد جوگنگ اور ایکسرسائز کے لیے جاتا ہے۔ جہاں سے اس کی واپسی گھنٹے کے بعد ہوتی ہے۔ واپس آ کر وہ دو گلاس فریش فروٹ جوس پیتا ہے۔ جو روزانہ عذرا (ملازمہ) تیار کرتی ہے۔ مگر آج وہ اسے منع کر دے گا۔ اس کے آنے تک تم جوس تیار رکھنا۔"

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کے بال بناتے ہوئے وہ بالکل نارمل لہجے میں گویا ہوا تھا۔ لیکن اجیہ کسی اسپرنگ کی طرح اچھلی تھی۔

"کیا؟" اس نے حیرت سے زوار کی پشت کو گھورا۔ جو ہاتھ میں پکڑا برش واپس رکھتے ہوئے انتہائی سکون سے اس کی جانب پلٹا تھا۔

"میں نے کیا فرنچ بولی ہے۔ جو تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہا؟" اس کے چہرے اور آنکھوں میں اتنی سنجیدگی تھی کہ اجیہ چاہ کر بھی اسے کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ اس کی خاموشی پہ وہ بے نیازی سے چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"ہمارے گھر میں ملازموں کی موجودگی کے باوجود کوکنگ گھر کی خواتین کرتی ہیں۔ اس لیے جوس بنانے کے بعد کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں۔ کچن میں رہ کر ناشتا بنانے میں سب کی ہیلپ کرنا۔ اس کے علاوہ باہر نکلنے سے پہلے میرے کپڑے نکال کر اور کمرا سمیٹ کے نکلنا۔ مجھے بے ترتیبی بالکل پسند نہیں۔"

پلٹ کر اسے چند اور احکامات دیتا وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بنا دروازہ کھول کے باہر نکل گیا تھا اور پیچھے اجیہ اپنے گرد لحظہ بہ لحظہ تنگ ہوتے جال پہ لب بھینچ کے رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ثانیہ اور فاطمہ بیگم کی دونوں بیٹیوں اریبہ اور علینہ کے ساتھ خاموشی سے آ کے کچن میں کھڑی ہو گئی تھی جو علی الصبح اسے وہاں دیکھ کے حیران تو ضرور ہوئی تھیں مگر انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔

اس سے پہلے جب وہ نیچے اتری تھی تو لاؤنج میں سب بڑوں کو نماز اور تلاوت میں مشغول دیکھ کے وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔ وہ سب بھی اسے خلاف معمول اتنی صبح اپنے سامنے دیکھ کر چونک گئے تھے۔ سب کو نظرانداز کیے وہ آگے بڑھنے کو تھی۔ جب داؤد صاحب اور بہروز حسن کے شفقت سے پوچھے گئے حال احوال نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر ان کے علاوہ کسی نے بھی اس سے بات نہیں کی تھی۔ نہ ہی اسے کچن میں جانے سے ٹوکا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے عذرا سے مطلوبہ چیزوں کی جگہیں پوچھتے ہوئے زوار کے لیے جوس بنانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ جو ٹھیک ایک گھنٹے بعد سب کے درمیان موجود تھا۔

اسے زوار کے لیے جوس لاتا دیکھ کے جبین بیگم کا چہرہ بے اختیار تن گیا تھا۔ مگر داؤد صاحب کی وجہ سے انہیں خاموشی اختیار کرنا پڑی تھی۔ جن کا چہرہ اس منظر پہ کھل اٹھا تھا۔

"میں ناشتے میں پراٹھا اور چیز آملیٹ لوں گا۔" اس کے پلٹنے سے پہلے وہ اپنی سابقہ بے نیازی سے بولا تو اس نئی افتاد پہ اجیہ اپنا غصہ بھول بھال اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اسے کوکنگ نہیں آتی تھی۔ اسی پریشانی میں غلطاں وہ کچن میں چلی آئی تھی۔ جہاں گھر کی باقی لڑکیوں کو موجود دیکھ کر وہ خود کو کمپوز کرتی فریج کی جانب چلی آئی تھی۔ اس کے اندر آتے ہی وہاں عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ جسے بری طرح محسوس کرتے

ہوئے اس نے فریج سے انڈے اور چیز نکالا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ انہیں لے جا کے سلیب پہ رکھتی، جبین تیزی سے اندر داخل ہوئی تھیں اور اگلے ہی لمحے انہوں نے آگے بڑھ کے دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے چھین لی تھیں۔ ان کی اس حرکت پہ اجیہ سمیت تینوں لڑکیاں بھی ساکت رہ گئی تھیں۔

"اپنی اوقات میں رہو اور جا کے اپنے لیے ناشتا بناؤ۔ یہاں تمہارا کوئی نوکر نہیں لگا ہوا ہے۔" سب کے سامنے اس درجہ تذلیل پہ اجیہ کو اپنا چہرہ سرخ اور آنکھیں یکایک جلتی محسوس ہوئی تھیں۔

"خبردار! جو ایک آنسو بھی بہایا۔ مجھے صبح سویرے اپنے گھر میں کوئی تماشا نہیں چاہیے، سمجھیں!" اسے سخت لہجے میں باور کرواتیں وہ آگے بڑھ گئیں تو اجیہ خاموشی سے اپنے آنسو پیتی نا سمجھی کے عالم میں دوبارہ فریج کھول کے کھڑی ہو گئی۔

کاش حالات نے اسے اس قدر مجبور نہ کیا ہوتا تو وہ کبھی اس رخصتی کے معاملے میں اپنا فیصلہ نہ بدلتی کسی قیمت پہ نہیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟ تمہیں پتا تھا؟ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" حبہ کے منہ سے یہ بات سن کے کہ وہ انعم کے بارے میں جانتی تھی۔ بازغہ مارے جھلاہٹ کے چلا اٹھی تھیں۔

"م... میں ڈر گئی تھی۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے یہ بات کسی کو بتائی تو وہ نہ صرف صاف مکر جائے گی۔ بلکہ ساری بات بھی مجھ پہ ڈال دے گی۔" وہ سہمے ہوئے انداز میں بولی تو بازغہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

"احمق لڑکی! ایسے کیسے مکر جاتی وہ۔" انہوں نے خفگی سے بیٹی کی جانب دیکھا۔ "کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ۔"

"پتا نہیں۔ مجھے تو تقریباً چھ ماہ پہلے پتا چلا تھا۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"چھ ماہ! یا اللہ میں کیا کروں؟" بازغہ نے ہول کے اپنا دل تھام لیا تھا۔ انعم نہ جانے کب سے یہ زہر اپنے اندر اتار رہی تھی؟

"ممی... آپ کیا پاپا کو بتائیں گی؟" حبہ نے متفکر نظروں سے بازغہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہونہہ! اس آدمی کو بتا کر کیا ملنا ہے۔ میں خود اس بدبخت کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی۔" انہوں نے تنفر سے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

"مگر آپ یہ کریں گی کیسے؟" اور اس سوال پہ تو بازغہ کی پریشانی دوچند ہو جاتی تھی۔ وہ یہ تنہا کیسے کریں گی۔ ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

☼ ☼ ☼

داؤد حسن کے کہنے پہ ولیمہ کی تقریب بھی رکھی گئی تھی۔ جس کے اگلے روز انہوں نے سب کو اپنے پاس لاؤنج میں بلوایا تھا اور پھر سب کے سامنے انہوں نے ایک فائل اپنے برابر بیٹھی اجیہ کی گود میں رکھ دی تھی۔

"بیٹا! میرے نجیب نے جو کچھ کمایا تھا، وہ اس کی زندگی میں ہی اس کی آزمائش کی نذر ہو گیا تھا، ورنہ اس کی چھوڑی ہوئی کوئی بھی چیز میں تمہارے حوالے کرنے میں لمحہ نہ لگاتا۔ ہاں لیکن میرا سب کچھ بنا مانگے بھی تمہارا ہے۔ اس لیے میں نے اپنے حصے کی ساری جائیداد اپنی بیٹی کے نام کر دی ہے۔ امید ہے میری بیٹی کی ناراضی کچھ کم ہو جائے گی۔" اس کے سر پہ ہاتھ رکھے انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو نہ صرف اجیہ سمیت وہاں موجود ہر شخص بھونچکا رہ گیا۔

"لیکن بابا! آپ نے یہ..." زوار نے متاسف لہجے میں کچھ کہنا چاہا تھا کہ داؤد صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے ٹوک دیا۔

"میرا یہ فیصلہ آج کا نہیں ہے بیٹا اور اس بات سے سب واقف ہیں... میں نے جو کچھ بھی کہا ہے، بہت سوچ سمجھ کے اور اپنی خوشی سے کہا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم سب میرے اس فیصلے کا احترام کرو گے۔"

انہوں نے حتمی لہجے میں کہتے ہوئے سب کی طرف دیکھا تھا۔ بے اختیار زوار کی تلخ نظریں اجیہ کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ جو پھٹی پھٹی بے یقین آنکھیں اپنی گود میں پڑی فائل پہ جمائے بیٹھی تھی۔ اس کی بے یقینی پہ ایک طنزیہ مسکراہٹ زوار کے لبوں پہ آ ٹھہری تھی۔

"پتا نہیں بابا! آپ کا یہ فیصلہ ٹھیک ہے یا غلط۔ لیکن امید ہے کہ اس کے بعد "لوگوں" کو کم از کم یہ تو پتا چل گیا ہو گا کہ ہم کتنے لالچی اور برے ہیں۔" اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ کاٹ دار لہجے میں بولا تو سر جھکائے بیٹھی اجیہ نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ گود میں رکھی فائل سینٹر ٹیبل پہ رکھتی، تیز قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔

"زوار! کیا ضرورت تھی یہ بات کرنے کی؟" اپنے پیچھے اجیہ کو داؤد صاحب کی غصیلی آواز بہت واضح سنائی دی تھی۔ اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی سیڑھیاں طے کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ پکڑو اپنا دین ایمان۔" اجیہ اپنی سوچوں میں گم، نجانے کتنی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں کھڑکی میں کھڑی تھی جب زوار کی تلخ آواز نے اسے بے اختیار چونکنے اور پیچھے پلٹنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

اس کے پلٹ کر دیکھنے پہ زوار نے استہزائیہ انداز میں بیڈ کے وسط میں پڑی فائل کی جانب اشارہ کیا تو اجیہ کی خالی نظریں پل بھر کو فائل پہ ٹھہر گئیں لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خاموشی سے چہرہ واپس موڑ لیا تھا۔ زوار نہ چاہتے ہوئے بھی چونک گیا تھا۔

"اپنی پیکنگ کرا لو۔ ہمیں شام میں نکلنا ہے۔" سر جھٹکتے ہوئے زوار نے دراز میں پڑا چارجر نکالا۔

"کہاں؟" اس کی آواز پہ اجیہ پلٹنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"کراچی اور پھر آگے۔" وہ بنا اس کی طرف دیکھے گویا ہوا تو اجیہ کی الجھن بڑھ گئی۔

"کس سلسلے میں؟"

"ہنی مون کے سلسلے میں۔" وہ یک لخت اپنی نگاہیں اس کے چہرے پہ جماتا گمبھیر لہجے میں بولا تو اجیہ گڑبڑا گئی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے غصے سے بولی تو زوار دھیرے دھیرے چلتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"ایک بات یاد رکھنا۔ مجھے بلاوجہ کے نخرے بالکل پسند نہیں۔ ویسے بھی میں نے تمہیں صرف مطلع کیا ہے۔ تمہاری مرضی نہیں پوچھی۔ سیکنڈ! یہ ٹرپ بھی بابا کا ارینج کیا ہوا ہے اس لیے نو اگر مگر۔ اب جا کے پیکنگ شروع کرو۔ شام چار بجے فلائٹ ہے ہماری۔" اس کے چہرے کو تکتا وہ قطعی لہجے میں بولا تو اجیہ جو پہلے ہی خاصی الجھی ہوئی اور پریشان تھی، اس زور زبردستی پہ جھنجلا کے رہ گئی۔

تب ہی اسے کچھ یاد آیا تھا اور اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ آج تو انیس تاریخ تھی۔ "اب۔ اب کیا کروں؟" اس نے پریشانی سے اپنا لب کاٹتے ہوئے سوچا۔

"کیا ہوا؟" اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ نے زوار کو ایک بار پھر چونکا دیا تھا۔ مگر اجیہ سرعت سے خود کو سنبھالتی اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"کچھ نہیں۔" اس کے جواب پہ زوار کی کھوجتی نگاہیں اجیہ کی پشت پہ جا ٹھہری تھیں۔ جو ڈریسنگ روم میں جا گھسی تھی۔

کچھ تو گڑبڑ تھی۔ کہاں؟ اس بات کا فی الحال اسے اندازہ نہیں تھا۔ مگر اسے یقین تھا کہ جلد یا بدیر اس نے اس الجھن کا سرا بھی پا ہی لینا تھا۔

☼ ☼ ☼

سب کی موجودگی میں اجیہ کو اپنی پریشانی دور کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ وہ ٹھیک تین بجے ایرپورٹ کے لیے گھر سے نکل گئے تھے اور سوا چار تک جہاز

فلائی کر گیا تھا۔ اس کی پریشانی چہرے سے عیاں تھی۔ لیکن زوار نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ بس خاموشی سے اس پہ نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

کراچی پہنچ کے وہ ٹیکسی کے ذریعے سیدھا "ہوٹل" پہنچے تھے' جہاں داؤد صاحب نے ان کے لیے پہلے سے ارینجمنٹ کروا رکھا تھا۔ اپنا خوب صورت کمرا دیکھ کر دونوں کے ہی اعصاب پہ خوش گوار تاثر پڑا تھا۔

فریش ہونے کے بعد زوار نے روم سروس سے کہہ کے کافی اور سینڈوچ منگوائے تھے۔ کیونکہ جہاز میں اجیہ نے کچھ نہیں لیا تھا۔ مگر جب وہ ان پر نظر ڈالے بغیر خاموشی سے صوفے پہ لیٹ گئی' تو زوار اسے ٹوکے بنا نہ سکا۔

"کس بات کا غم منا رہی ہو؟"

"اپنی بربادی کا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بنا چیخ کر بولی تو زوار کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"اچھا! حالانکہ تم تو دن بہ دن خاصی آباد ہوتی جا رہی ہو۔" اس کے طنز پہ اجیہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ مجھے دولت اور جائیداد کی ہوس ہے تو یہ بہت بڑی بھول ہے تمہاری' مجھے اپنے حق سے زیادہ کی نہ کبھی تمنا تھی اور نہ ہے۔ محبت کے یہ جھوٹے مظاہرے میرا دل تم لوگوں کی طرف مائل نہیں کر سکتے۔" اس کی طرف دیکھتی وہ تلخ لہجے میں بولی۔

"ہمیں معلوم ہے اجیہ! تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں اگر اپنا خون بھی پلا دیا جائے تا تب بھی وہ آپ کے نہیں بنتے۔ اس لیے بے فکر رہو ہم نے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں پالی۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا تو اجیہ کے پیروں سے لگی اور سر پہ بجھی۔

"میں جیسی بھی ہوں کم از کم سب کے سامنے ہوں۔ تمہاری طرح پیٹھ پیچھے پلاننگ کر کے دوسروں کی زندگیاں برباد کرنا مجھے نہیں آتا۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ جہاں میری عقل ختم ہوتی ہے وہاں سے تمہاری مکاری شروع ہوتی ہے۔ میں تو آج تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ تم نے اس نقلی نکاح نامے پہ میرے سائن کیسے حاصل کیے تھے؟" اس کی بات پہ زوار کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"ویری سمپل۔ تمہیں وہ وکالت نامہ یاد ہے جو تم نے' رحمان صدیقی کو اپنا وکیل مقرر کرتے ہوئے سائن کیا تھا۔" اس نے اجیہ کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو اس کا سر میکانکی انداز میں اثبات میں ہل گیا۔

"بس میں نے اس کے اسسٹنٹ کو پیسے دے کے اس وکالت نامے کی ایک فوٹو کاپی کروائی تھی اور پھر اس فوٹو کاپی کو ایک پروفیشنل بندے کے حوالے کر دیا تھا جس نے تمہارے سائن بڑی آسانی اور مہارت سے اس نقلی نکاح نامے پہ کاپی کر دیے تھے۔" اس کی بے یقین آنکھوں میں دیکھتا وہ سکون سے بولا تھا اور اجیہ اس درجہ ہوشیاری پہ پلکیں تک جھپکنا بھول گئی تھی۔

"اتنا بڑا فراڈ! اور وہ بھی صرف اس لیے کہ میں نے تمہارے بڑوں کو ان کی اصلیت دکھا دی تھی؟" حیرت کے سمندر میں غوطہ زن وہ زہر خند لہجے میں بولی تو زوار کے چہرے کے تاثرات خطرناک حد تک سنجیدہ ہو گئے۔

"زبان سنبھال کے بات کرو۔ ان کی اصلیت کیا ہے اگر وقت نے کبھی ظاہر کر دی تو شاید تم خود سے بھی نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہو گی۔"

"ہاں ایسے ہی تو فرشتے ہیں نا۔ کتنے بے ضمیر ہو تم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی مجھے آنے والے وقت سے ڈرا رہے ہو؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ مارے غصے کے چلا اٹھی تھی۔

"آواز نیچی رکھو اجیہ!" زوار نے دھیمے لیکن سرد لہجے میں اسے وارن کیا تھا۔ مگر اس پہ تو جیسے جنون سوار ہو گیا تھا۔

"نہیں رکھوں گی' کیا کر لو گے۔ ہاں؟" وہ یک لخت اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس کے مقابل آ کھڑی

ہوئی تو اس درجہ بدتمیزی پہ زوار کا ضبط جواب دے گیا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور ایک نہیں بلکہ دو بار اجیہ کے چہرے پہ پڑا تھا۔ وہ کسی بے جان گڑیا کی طرح دور جا گری تھی۔

"دوبارہ اگر تم نے اس لہجے میں مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی۔ تو یاد رکھنا اجیہ نجیب! مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" اس کے سسکتے وجود پہ کڑی نظریں جمائے وہ انتہائی غصے کے عالم میں اپنی بات مکمل کرتا کمرے سے باہر نکل گیا اور پیچھے اجیہ دونوں گھٹنوں پہ پیشانی ٹکائے پھوٹ پھوٹ کے روتی چلی گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

"دیکھ لیں بہروز صاحب! بابا کے فیصلے کیا رنگ لائے ہیں۔ آج میرا بیٹا ان کی بدولت اس کمینی عورت کی بیٹی کو لیے ہنی مون پہ گیا ہے۔ رفتہ رفتہ زوار بھی نجیب کی طرح اس لڑکی کے حسن کا اسیر ہو جائے گا اور بازغہ کے قدم ایک بار پھر اس گھر میں جم جائیں گے۔" جبین کھردرے لہجے میں پاس بیٹھے شوہر سے مخاطب ہوئی تھیں' جنہوں نے ان کی بات پہ ہاتھ میں پکڑی فائل نیچے رکھ دی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ زوار' نجیب کی طرح کمزور نہیں۔"

"کمال ہے۔ آج آپ نے کیسے اس کی کسی خوبی کا اعتراف کر لیا؟" جبین کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"میں نے اس کی کسی خوبی سے کبھی انکار نہیں کیا۔ ہاں مجھے اس بات کا اس سے گلہ تھا اور ہمیشہ رہے گا کہ اس نے اس گھر کا سب سے بڑا بیٹا ہونے کے باوجود اپنے بزنس کو نہیں سنبھالا۔ اس کی جاب کے علاوہ تم جانتی ہو کہ ہم دونوں کا کوئی اختلاف نہیں۔ اجیہ والے معاملے میں مجھے شروع میں اس پہ بہت غصہ تھا۔ مگر بابا کی بات مان کے جس طرح اس نے اپنی غلطی سدھاری ہے۔ اس کے بعد مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں رہا۔" وہ ان کی طرف دیکھتے رسان سے بولے۔

"مگر مجھے ہے۔ اور میں اس کے لیے اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" بے تاثر لہجے میں کہتی وہ جائے نماز اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئیں تو بہروز صاحب نے اک گہری سانس کھینچتے ہوئے پاس رکھی فائل واپس اٹھا لی۔

جبین کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تھیں اور جائے نماز بچھا کر عشاء کی نماز ادا کرنے کھڑی ہو گئی تھیں۔ تب ہی ایک طرف رکھا فون بجا تھا اور پھر ایک تواتر سے بجنے کے بعد بند ہو گیا تھا۔

جبین نے سلام پھیر کے سی ایل آئی پہ نمبر دیکھا تو ایک لمبا سا نمبر جگمگا رہا تھا۔ جو اس بات کا غماز تھا کہ آنے والی کال پاکستان سے باہر کی تھی۔

بے اختیار ان کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا تھا۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے وہیں فون کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ پانچ منٹ بعد اسی نمبر سے فون دوبارہ بجا تو دوسری بیل پہ جبین نے فون اٹھا لیا۔

"کیا بات ہے بازغہ! کیوں فون کر رہی ہو؟" انہوں نے "ہیلو" کے بجائے انتہائی پر سکون لہجے میں کہا تو دوسری طرف ایک پل کو سناٹا چھا گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتیں' دوسری جانب سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔ اسی حرکت نے جبین کے اندازے کی تصدیق کر دی تھی۔

لیکن اس حرکت نے ان کا خون کھولا دیا تھا۔ یعنی یہ سارا کھیل ان کے اندازوں کے عین مطابق' ان ماں بیٹی کی ملی بھگت تھا جبکہ یہاں اس لڑکی نے یہ تاثر دے رکھا تھا کہ زوار سے نکاح کے بعد اس کی ماں اور ماموں دونوں اسے چھوڑ چکے تھے اور اس کی واپسی کا ہر راستہ بند ہو چکا تھا۔

ان ماں بیٹی کی مکاری پہ ان کا دل چاہا تھا کہ جا کر ساری بات داؤد صاحب اور بہروز حسن کے گوش گزار کریں اور ان سے پوچھیں کہ اب کس کی زندگی برباد ہوئی ہے؟ ان کی لاڈلی کی یا پھر جبین کے بیٹے کی؟ مگر وہ جانتی تھیں کہ اب اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہونے والا تھا۔ ہاں لیکن اگر کسی پہ اس بات سے کوئی فرق

پڑسکتا تھا تو وہ زوار تھا اور یہ سوچ کر انہوں نے اس کا نمبر ملانے میں لمحے کی تاخیر نہیں کی تھی۔

☼ ☼ ☼

بازغہ نے فون بند کرتے ہوئے بے اختیار اپنے دل پہ ہاتھ رکھا تھا۔

یہ کیا ہوگیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھی اس نے انہیں کیسے پہچانا تھا؟ بے اختیار ان کی نظریں گھڑی کی جانب اٹھی تھیں۔ جہاں شام کے سات بج رہے تھے۔ یعنی پاکستان میں رات گیارہ بجے کا وقت تھا اور انہیں اچھی طرح یاد تھا انہوں نے اس کے ولیمہ کے اگلے روز رات گیارہ بجے فون کرنے کا بتایا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اجیہ انہیں کال کرے اور بل میں کسی باہر کی کال کی تفصیل مع نمبر کے آجائے۔ انہوں نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ انیس تاریخ کو مقررہ وقت پہ کارڈ لیس اپنے پاس رکھے، تاکہ جب وہ فون کریں تو کال وہی ریسیو کرے۔ مگر وہ ایسا کیوں نہ کرسکی تھی اور فون کس نے اٹھالیا تھا اور نہ صرف اٹھالیا تھا بلکہ انہیں پہچان بھی لیا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ مگر اس بات نے انہیں خاصا پریشان کردیا تھا۔ ان کا اتنی مشکلوں سے بننے والا کھیل کہیں بگڑ نہ جائے۔ انہیں شدید ٹینشن نے آن گھیرا تھا۔

اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا وہ مسلسل کمرے میں چکرا رہی تھیں۔ جب فون کی اچانک بیل پہ ان کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا وہ متفکر سی آگے بڑھیں۔

نچلا لب دانتوں تلے دبائے انہوں نے ڈرتے ڈرتے فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔ لیکن دوسری جانب جب جرمن زبان میں ان کا پتا دہرایا گیا تھا، تب انہوں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کال کرنے والے کو اثبات میں جواب دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد انہیں جو کچھ بتایا گیا تھا اس نے بازغہ کے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ وہ بے اختیار اپنے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھے قریب پڑے کاؤچ پہ گر گئیں۔

☼ ☼ ☼

اجیہ نجانے کتنی دیر تک اور کس کس بات پہ روتی رہی تھی۔ اور جب دل کا بہت سا بوجھ آنکھوں کے راستے بہہ گیا تو وہ نڈھال سی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔

بہت دیر بعد اس کی خالی نگاہیں یونہی بھٹکتی ہوئی دیوار پہ لگی گھڑی پہ جا ٹھہری تھیں۔ اچانک اسے کچھ یاد آیا اور اس نے مارے جھلاہٹ کے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

"او میرے خدا میں کیا کروں۔"

ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے ایک بار پھر گھڑی کی جانب دیکھا۔ جہاں رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ یعنی اگر وہ ابھی بھی کسی طرح بازغہ کو فون کردیتی تو کسی نئی مشکل سے بچ سکتی تھی۔ لیکن یہی تو مسئلہ تھا کہ وہ فون کہاں سے کرتی؟ تب ہی اسے ریسپشن کا خیال آیا تھا اور اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے باتھ روم میں جاکے اپنے چہرے پہ چھپاکے مارے تھے اور پھر حلیہ درست کرتی پرس اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

زوار کے ٹکرا جانے کا خوف حواس پہ سوار کیے وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔ جب لابی کا موڑ مڑتے ہوئے وہ اچانک کسی سے جا ٹکرائی تھی۔ ٹکر اتنی شدید تھی کہ اس کے ہاتھ سے پرس بھی زمین پہ گر کے کھل گیا اس میں رکھی چیزیں ارد گرد بکھر گئیں۔

"سوری۔ ریئلی سوری بیٹا!" حالانکہ غلطی سراسر اس کی تھی۔ پھر بھی وہ انکل معذرت کرتے ہوئے نیچے جھک کر اس کی چیزیں اٹھانے لگے۔

"اٹس او کے۔ میں اٹھالوں گی۔" وہ شرمندہ سی پنجوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔ اپنا پرس اٹھا کر وہ تیزی سے چیزیں اس میں رکھنے لگی تھی۔ تب ہی ان صاحب نے اس کے ٹکٹ اور بورڈنگ پاس اٹھائے تھے اور پھر جیسے لحظہ بھر کو ٹھٹک گئے تھے۔

"اجیہ نجیب۔" زوار نے چونکہ کہیں بھی اس کے نام کے ساتھ اپنا نام نہیں لگایا تھا۔ اسی لیے اس کے

ٹکٹ اور بورڈنگ پاس پہ اجیہ نجیب لکھا دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

"بیٹا آپ نجیب حسن کی بیٹی ہو؟" اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے انہوں نے نرمی سے پوچھا تو اجیہ چونک گئی۔

"جی۔" ان کی طرف دیکھتی وہ آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی تو مقابل کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ماشاء اللہ! کتنی بڑی ہوگئی ہو۔" انہوں نے آگے بڑھ کے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو اجیہ سٹپٹا گئی۔

"تمہارے پاپا اور میں بہت گہرے تھے بیٹا! بلکہ دوست کیا ہم تو بھائیوں سے بھی بڑھ کے تھے۔ خدا اسے غریق رحمت کرے۔" ان کی آنکھیں یکایک جھلملا اٹھیں تو اجیہ کو احساس ہوا کہ واقعی نجیب حسن کے خاصے گہرے دوست تھے۔

"اور تم سناؤ یہاں پاکستان میں کیا کررہی ہو؟" وہ خود پہ قابو پاتے ہوئے بولے تو اجیہ جس کے ذہن پہ فون سوار تھا، بات کو سمیٹنے کے لیے مختصراً بولی۔

"جی میری شادی ہوگئی ہے یہاں۔" اپنی جھونک میں اس نے یہ جملہ بول تو دیا تھا۔ لیکن اس سچائی کو پہلی بار لفظوں میں ڈھال کر اسے بڑا عجیب سا احساس ہوا تھا۔

"ماشاء اللہ۔ یہاں کراچی میں ہوتی ہو بیٹا؟" ان کے اگلے سوال پہ اجیہ اندر ہی اندر جھلا اٹھی تھی۔ مگر بظاہر وہ شائستگی سے بولی تھی۔

"نہیں اسلام آباد میں ہوتی ہوں۔ میرے تایا زاد سے میری۔۔۔" اس کے لیے جملہ مکمل کرنا ممکن نہ ہوسکا تھا۔ لیکن مقابل پہ حیرت کا اتنا شدید غلبہ ہوا تھا کہ وہ اجیہ کا یوں بات کو ادھورا چھوڑنا محسوس ہی نہ کرسکے تھے۔

"تمہاری شادی زوار سے ہوئی ہے؟ لیکن کیسے۔۔۔؟ میرا مطلب ہے تم اپنی ماں کو چھوڑ کے "حسن ولا" کیسے آگئیں۔ تم نے یہ فیصلہ کیسے کرلیا بیٹا؟"

وہ بے یقین نظروں سے اس کا چہرہ تکتے ہوئے بے ربط سے بولے تو اس عرصے میں پہلی بار اجیہ ٹھٹک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ یقیناً گزرے ہوئے حالات کے بارے میں کافی کچھ جانتے تھے۔ یکایک اجیہ کو ایک خیال سوجھا تھا۔

"کیوں انکل! یہ آپ کو اتنا ناممکن کیوں لگ رہا ہے؟" ان کی جانب گہری نظروں سے دیکھتی وہ قصداً دھیرے سے مسکرائی۔ تو ان کے چہرے پہ موجود حیرت دوچند ہوگئی۔

"ناممکن؟ یہ تو بہت بڑا معجزہ ہے بیٹا! وگرنہ جو کچھ ہوا تھا اور جس دھوکا دہی سے بازغہ تمہیں نجیب سے چھین لے گئی تھی اور پھر ہمیشہ سب سے دور رکھا تھا۔ اس کے باوجود اگر تم نے سچ کو پالیا ہے اور اپنوں میں لوٹ آئی ہو تو بیٹا! یہ کسی انہونی سے کم تو نہیں۔"

اس کی جانب دیکھتے وہ بے یقین سے مسکرائے تھے۔

"میں تو اس کے انصاف کا قائل ہوگیا ہوں۔ اس نے دیر سے ہی سہی، لیکن میرے دوست کے حق میں فیصلہ کرکے چچا جان کی اتنے سالوں کی تڑپ کا ازالہ کردیا۔ خدا تمہیں اپنے گھر میں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے۔"

انہوں نے فرط جذبات سے مغلوب ہوکے اس کے سر پہ دوبارہ ہاتھ پھیرا۔ اجیہ کا دل تیزی سے ڈوب گیا۔ یہ وہ کس دھوکے، کس انصاف کی بات کررہے تھے؟

"ان کی اصلیت کیا ہے اگر وقت نے کبھی ظاہر کردی تو شاید تم خود سے بھی نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہوگی۔" یک لخت کچھ دیر پیشتر کا زوار کا کہا جملہ اس کے ذہن میں گونجا۔ اجیہ کے اندر بے چینی سے پھیل گئی۔ اس کے دماغ سے فون وغیرہ سب نکل گیا تھا۔ یاد رہا تھا تو صرف اتنا کہ شاید یہ موقع پھر کبھی نہ ملے۔

"سچ کہوں تو انکل! ابھی بھی میرے اندر ایسے بہت سے سوال ہیں جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ ہمارا ٹکراؤ یونہی نہیں ہوا

تھا۔ آپ میرے خیال میں میرے والدین کی زندگی کے اس المیے کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کردیں تو میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں گی۔" ان کی طرف دیکھتی وہ اٹکتے ہوئے بولی تو ان کے چہرے پہ اک پھیکی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"تھوڑا بہت نہیں بیٹا! نجیب کے بعد ایک میں ہی تو تھا جو اس المیے کے ایک ایک پل کا چشم دید گواہ تھا۔" ان کے انکشاف پہ اجیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی اور ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

"میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟" دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"غفار ملک۔۔۔ آؤ ہم کہیں بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" اور اجیہ ہر بات بھلائے کسی معمول کی طرح ان کے پیچھے چل پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

بازغہ دیوانہ وار گاڑی دوڑاتے اسپتال پہنچی تھیں۔ لیکن آگے سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ ان کی بیٹی نشے کی حالت میں اپنے بوائے فرینڈ کے ہمراہ ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنی جان گنوا بیٹھی تھی۔ اس کرب ناک اطلاع نے ان کا دماغ ماؤف کردیا تھا۔ وہ حبہ کو خود سے لگائے پھوٹ پھوٹ کے روتی چلی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

سچائی تھی یا کوئی قیامت، جس نے اجیہ کے وجود سے اس کی روح ہی کھینچ لی تھی۔ کوئی عورت ہر روپ میں سراپا فریب کیسے ہوسکتی ہے اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"کون۔۔۔ کون تھا وہ آدمی۔۔۔؟" اس نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا تو غفار صاحب کے غمزدہ چہرے پہ نفرت سی پھیل گئی۔

"خلیل جہانگیر!" اور اجیہ نے مارے اذیت کے سختی سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ ہاں خلیل جہانگیر ہی وہ شخص تھا جو اس کی پھوپھی کا سابقہ منگیتر اور اس کے باپ کا مجرم تھا اور یہ احساس کہ وہ اپنے باپ کے مجرم کو "پاپا" کہہ کے پکارتی رہی تھی۔ اس کا دیا کھاتی اور پہنتی رہی تھی۔ اسے اپنے مرحوم باپ پہ ترجیح دیتی رہی تھی۔ اجیہ کو خود سے گھن کھانے پہ مجبور کررہا تھا۔ لیکن اپنی ماں۔۔۔ اپنے محور و مرکز کے لیے تو اس کے اندر کوئی احساس بھی نہیں بچا تھا۔ اسے اس کی کل کائنات نے دھوکا دیا تھا۔ اس بھیانک انکشاف نے حقیقتاً اس کے وجود کو ختم کرڈالا تھا۔

اسے اب سمجھ میں آیا تھا کہ کیسے اس کی ماں نے اس کی عزت کی پروا کیے بنا اسے چند دن پیشتر رخصتی کا مشورہ دے دیا تھا اور وہ ان کی بات سن کے ہکا بکا رہ گئی تھی۔ لیکن چونکہ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اپنی سچائی ان پہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اسے ان کی معافی کے ساتھ ساتھ مدد بھی درکار ہے تو وہ "حسن ولا" کے مکینوں سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے کر لوٹے گی اور ان کے درمیان رہ کر بازغہ کے کہے پہ چل کر انہیں ان کی ہر چیز سے محروم کردے گی۔ ان کے اس مطالبے نے اسے ساکت کردیا تھا۔ کسی کو دھوکا دینا اس کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ مگر انہوں نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔ نہ ہی اس بات کو اہمیت دی تھی کہ رخصتی کے بعد زوار اس پہ ہر طرح کا حق جتا سکتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی نظر میں وہ ایک شادی شدہ لڑکی کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ اسی لیے اگر رخصتی کے بعد وہ بحیثیت شوہر اس پہ کوئی حق جتاتا بھی ہے تو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہ ہوگی۔ ان کی بات پہ وہ تڑپ اٹھی تھی۔ مگر انہوں نے اسے ولیمہ کے اگلے روز فون کرنے کا کہہ کے رابطہ منقطع کردیا تھا۔

اور اجیہ جو ماں سے مدد کی امید لگائے بیٹھی تھی۔ اس کے پاس سوائے رخصتی کے فیصلے پہ سر جھکانے کے دوسرا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ مگر اپنی ماں کے اس رویے کے بعد اسے چپ سی لگ گئی تھی۔ رہی سہی کسر داؤد صاحب نے اپنے حصے کی جائیداد اس کے نام کرکے پوری کردی تھی۔ وہ حقیقتاً الجھ گئی تھی۔

لیکن جو کچھ اب اس کے علم میں آیا تھا۔ اس نے تو

اس کی پوری ہستی کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ غفار صاحب کے سامنے اس نے کیسے خود کو بکھرنے سے بچایا تھا یہ وہ جانتی تھی یا اس کا خدا۔ مگر وہ ان سے ایک آخری احسان لے کے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ جس کی دہلیز پار کرتے ہی اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ خود کو ملنے والے ہر دھوکے اور چھن جانے والے ہر رشتے پہ ٹوٹ کر روئی تھی۔

☼ ☼ ☼

زوار نے تنے چہرے اور بھینچے ہوئے لبوں کے ساتھ موبائل بند کرتے ہوئے جیب میں ڈالا تھا۔ اجیہ سے بحث کے بعد وہ کمرے سے نکل کر بے مقصد سارے شہر کی سڑکیں ناپتا پھر رہا تھا اور نجانے کتنی دیر تک اسی شغل میں مصروف رہتا اگر جبین بیگم کی کال اس کی مصروفیت میں خلل نہ ڈالتی۔

ماں کی بات سن کے وہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ اس کے اندر غصے کی شدید لہر کے ساتھ نجانے کیوں دکھ کی کیفیت بھی بڑی شدت سے جاگی تھی۔ اس کا خون مارے غصے کے کھول اٹھا تھا۔ آج اجیہ نجیب کو اس کے قہر سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنسو بہاتی اجیہ نے سختی سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور پرس میں رکھا غفار صاحب کا موبائل نکالا تھا جو اس نے آخری احسان کے طور پہ ایک کال کے لیے ان سے مانگا تھا۔ بازغہ کا پرسنل نمبر ملاتے ہوئے اس نے فون کان سے لگالیا تھا۔ چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد دوسری طرف سے اسے بازغہ کی بھاری اور بوجھل آواز سنائی دی تو اجیہ کا چہرہ جذبات کی شدت کے باعث سرخ اور تنفس تیز ہوگیا۔

"ہیلو!" اس کے بولنے کی دیر تھی کہ دوسری طرف بازغہ نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

"ہیلو! ہیلو اجیہ!" بے قراری سے اسے پکارتی وہ زور زور سے رونے لگی تھیں۔ "اجیہ! انعم۔۔۔ انعم۔۔۔ ہمیں چھوڑ کے چلی گئی۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اجیہ!" اس اطلاع پہ اجیہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو گرنے لگے تھے۔ آج شاید واقعی انصاف کی رات تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ کو پتا ہے مسز خلیل۔ آج میں بھی آپ کو چھوڑ کے چلی گئی ہوں۔" وہ آنسوؤں کے درمیان بمشکل تمام بولی تھی۔ اسی وقت زوار دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا تھا۔ اجیہ کی چونکہ اس کی طرف پشت تھی اس لیے وہ اسے اور زوار اس کے آنسو نہیں دیکھ سکا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں موبائل دیکھ کے زوار کا دماغ گھوم گیا تھا۔ یہ موبائل اس کے پاس کہاں سے آیا تھا؟ اور وہ کس سے بات کررہی تھی؟ وہ قصداً" دروازے کی اوٹ میں ہوگیا۔

"فرق صرف اتنا ہے کہ وہ زمین کے اندر چلی گئی ہے اور میں اپنی محبت، اپنے مان اور اپنے واحد رشتے کی لاش لیے زمین کے اوپر کھڑی ہوں۔" بات کرتے کرتے وہ اچانک رو پڑی تو زوار چونک گیا جبکہ بازغہ کے آنسو ایک پل کو تھم گئے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسی باتیں کررہی ہو اجیہ؟" ان کے استفسار پہ وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"شکر کریں کہ میں بولنے کے قابل ہوں۔ ورنہ جب اس غیر آدمی نے مجھے میری ماں کی بدکرداری اور مکاری کی داستان سنائی تھی نا، تب مجھے لگا تھا کہ اب میں کبھی ایک لفظ نہیں بول پاؤں گی۔"

"کس۔۔۔ کس کی بات کررہی ہو تم؟" بازغہ کی آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئی تھیں۔

"غفار ملک کی بات کررہی ہوں۔ یاد ہے آپ کو یا اس واحد گواہ کو بھی بھول گئیں آپ؟" وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئی تھی اور زوار کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ یہ غفار انکل اجیہ کو کہاں ٹکرا گئے تھے اور انہوں نے اسے پہچانا کیسے تھا؟ جبکہ دوسری طرف بازغہ کا دل اس تیزی سے ڈوبا تھا کہ انہیں بے اختیار پاس رکھے بینچ کا سہارا لینا پڑا تھا۔

"بکواس بند کرو اجی۔ میں کسی غفار ملک کو نہیں جانتی۔ یہ آدمی، یہ کہانی سب ان مکار لوگوں کی سازش

ہے۔ انہوں نے جان بوجھ کر اسے گھر بلوایا ہے تاکہ تمہیں۔۔۔"

"ایک عجیب بات بتاؤں مسز خلیل! میں اس وقت اس گھر میں تو کیا اس شہر میں بھی نہیں ہوں۔ میں ایک اجنبی شہر کے ایک اجنبی ہوٹل میں ہوں۔ وہاں اس انجان آدمی سے میری ملاقات بالکل اچانک ہوئی تھی۔ پہچان کا مرحلہ بھی بڑے عجیب طریقے سے طے ہوا تھا اور گفتگو بھی بڑے حیران کن طریقے سے آگے بڑھی تھی۔۔۔ اس سب کے پیچھے پتا ہے کس کا ہاتھ ہے؟" ان کی بات کاٹتے ہوئے وہ یک لخت عجیب سے انداز میں گویا ہوئی تو دوسری طرف بازغہ کو سانپ سونگھ گیا۔

"اس کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے، جس کا خوف آپ کو اپنے شوہر کی عزت داؤ پہ لگاتے ہوئے بھی نہیں آیا، جس کا ڈر آپ کو تب بھی محسوس نہ ہوا جب آپ نے خود کو بچانے کے لیے بے راہ روی کا الزام اپنے شوہر پہ لگا دیا تھا۔ جس کی موجودگی کا احساس آپ کو تب بھی نہ ہوا تھا جب آپ نے مجھے میرے باپ سے چھین کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میرے سامنے میرے باپ کی کردار کشی کرتے ہوئے بھی وہ آپ کو یاد نہ آیا تھا۔ میں نے آپ کے سامنے ساری زندگی باپ کی محبت کو ترستے ہوئے گزار دی۔ آپ کو تب بھی اس کی موجودگی کا احساس نہ ہوا۔ مگر "وہ" آپ کو ہر ہر لمحہ یاد رکھے ہوئے تھا مسز خلیل۔۔۔ اور آج اس کی جانب سے آپ کو ملنے والی مہلت کی حد ہونا تھی، تب ہی یہ انہونی وقوع پذیر ہوئی ہے۔ اس نے آپ سے ایک نہیں، بیک وقت دو اولادیں چھینی ہیں۔ ایک نیک اور چاہنے والے شوہر کو چھین کر ایک بدکردار اور بدقماش آدمی ساری زندگی کے لیے آپ کے سر پہ مسلط کر دیا ہے۔ یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے؟"

شدت جذبات سے اس نے یک لخت بلند آواز میں استفسار کیا تو جہاں بازغہ کی سسکی نکل گئی وہیں زوار اپنے رب کی حکمت اور دانائی کا قائل ہو گیا۔ بے شک وہ سب سے بڑا منصف ہے۔ اس نے جس طرح ایک باپ کی سچائی ایک بیٹی پہ عیاں کی تھی، اس کے بارے میں تو زوار نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔

"آپ نے تو میری عزت تک کی پروا نہ کی اور میرے سچائی بتانے پہ میری مدد کے بجائے مجھے رخصتی کا مشورہ دے دیا تاکہ میں آپ کے اشاروں پہ چل کے ان بھلے لوگوں کو بدلے کے نام پہ لوٹ سکوں۔ تب میرا دل پہلی بار آپ کی طرف سے خراب ہوا تھا۔ کوئی ماں اتنی بے حسی کا مظاہرہ کیسے کر سکتی تھی؟ میں نے رخصتی آپ کے کہنے پہ نہیں، بلکہ آپ کی طرف سے دل برداشتہ ہو کے کروائی تھی کہ اس کے علاوہ میرے پاس حقیقتاً "کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ مگر دیکھ لیں اس عزتوں کے رکھوالے نے نہ صرف میری عزت کی حفاظت کی بلکہ ان سب کی اور اس شخص کی سچائی بھی مجھ پہ واضح کر دی۔۔۔ میں واقعی ان سب کی گنہگار ہوں۔ میں نے ان کا بہت دل دکھایا ہے اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ آج کے بعد میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں۔ لوگوں کی مائیں ان کا غرور ہوتی ہیں۔ مگر آپ کا حوالہ زندگی کے ہر مقام پہ میرے لیے سوائے ذلت اور تکلیف کے اور کچھ بھی نہیں۔۔۔ سنا آپ نے مسز خلیل! کچھ بھی نہیں۔"

وہ آنسوؤں کے درمیان ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولی تو بازغہ کے رونے میں شدت آگئی۔

"میں آپ کو اپنے باپ اور اپنی ماں دونوں کے قتل کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ مرتے دم تک نہیں۔" اپنی بات مکمل کرتے ہوئے اس نے کال کاٹ دی تھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے دو زانو زمین پہ گر گئی تھی۔ اسے یوں بلک بلک کے روتا دیکھ کے زوار کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ تیزی سے دروازہ دھکیل کے اس کی جانب بڑھا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کے وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

"اجیہ۔۔۔!" اسے پکارتے ہوئے اس نے نرمی سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو اپنے دھیان میں آنسو بہاتی اجیہ نے چونک کر چہرے سے ہاتھ ہٹائے تھے اور اپنے سامنے زوار کو بیٹھا دیکھ کے وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ میں۔۔۔"

"شش۔۔۔ میں نے سب سن لیا ہے۔" اس کے شانے کو دھیرے سے دباتے ہوئے اس نے نرم لہجے میں کہا تو اس کی نظریں زوار کے چہرے پہ آٹھہریں۔ اگلے ہی لمحے وہ پھر بلک کے رو پڑی تو زوار نے آہستگی سے اسے خود سے لگا لیا۔

"مجھے معاف کر دو زوار۔۔۔! میں نے واقعی بابا اور سب بڑوں کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ میں۔۔۔ تم سب کی۔۔۔" آنسوؤں کی یلغار نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی اور اس کے سینے سے لگی وہ زار و قطار روتی چلی گئی تھی۔ زوار نے بھی اسے کھل کے رونے دیا تھا۔ یہاں تک کہ اسے خود ہی اپنی عجیب سی پوزیشن کا احساس ہو گیا تھا۔

آہستگی سے آنسو صاف کرتی وہ شرمندہ سی اس سے الگ ہوتی سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ اس کے روئے ہوئے چہرے پہ خفت کے رنگوں نے ایک انوکھی کشش پیدا کر دی تھی۔ جس کے زیر اثر زوار کو اپنے دل میں وہی پہلی سی میٹھی میٹھی سی کیفیت کروٹیں لیتی محسوس ہوئی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ یہ رشتہ حالات کی وجہ سے قائم ہوا اور بابا کی وجہ سے آگے بڑھا۔ مگر اب میں مزید خود کو تم پہ مسلط نہیں کرنا چاہتی۔ نہ ہی میں سب کے درمیان جا کے رہنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ اس لیے پلیز مجھے آزاد کر دو۔ میں یہاں سے دور، بہت دور چلی جانا چاہتی ہوں۔" نظریں جھکائے وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تو زوار کے لبوں پہ اک پھیکی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"یہی تو افسوس ہے کہ تم پہلے بھی کچھ نہیں جانتی تھیں اور اب بھی کچھ نہیں جانتی ہو۔ پہلے بھی تمہارے ہر درد کا درماں تمہاری دسترس میں تھا، مگر تم نے بنا پرکھے صرف ایک طرف کی بات پہ آنکھیں بند کر کے یقین کیا۔۔۔ اور اب بھی تمہاری ہر تکلیف کا ازالہ تمہارے سامنے ہے، مگر تم اس سے منہ موڑ کے جانا چاہتی ہو۔"

"کیا مطلب؟" اس نے الجھ کر زوار کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ کہ گھر چلتے ہیں۔ جہاں سب میرے تمہارے لوٹ آنے کے منتظر ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے تو اجیہ کے چہرے پہ اضطراب در آیا۔

"مگر میں۔۔۔"

"پلیز اجیہ اب اور نہیں۔ میں تم سے محبت کا دعوے دار تو نہیں، مگر بچپن سے تم سے مانوس ضرور ہوں۔ آنے والے وقت میں، میں نہ صرف تم سے محبت کا وعدہ کرتا ہوں بلکہ اپنی عزت اور وفا کا بھی تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ اب کہو تمہیں یہ رشتہ منظور ہے کہ نہیں؟" اور اجیہ کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی صورت گرنے لگے۔

"ہے۔ دل و جان سے منظور ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتی بمشکل تمام مسکرائی اور زوار نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ نرمی سے اسے خود میں سمیٹ لیا۔

اک موسم دل کی بستی کا
رفعت ناہید سجاد
قیمت -/300 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021